سخن سمندر

(مجموعۂ غزلیات)



ڈاکٹر طارق انور باجوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُخن سمُندر

سخن سمندر

(مجموعہ غزلیات)

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

اشاعتِ اوّل	:	۲۰۲۴ء
مجموعۂ کلام	:	سُخن سمندر
سخنور	:	ڈاکٹر طارق انور باجوہ
ناشر	:	راشد حسین
کمپوزنگ	:	حیدر علی حیدؔر
سرِ ورق	:	ججی ماہی
قیمت	:	۱۰۰۰ روپے
برطانیہ میں قیمت	:	۱۰ پاؤنڈ

Sukhan Samundar

by:

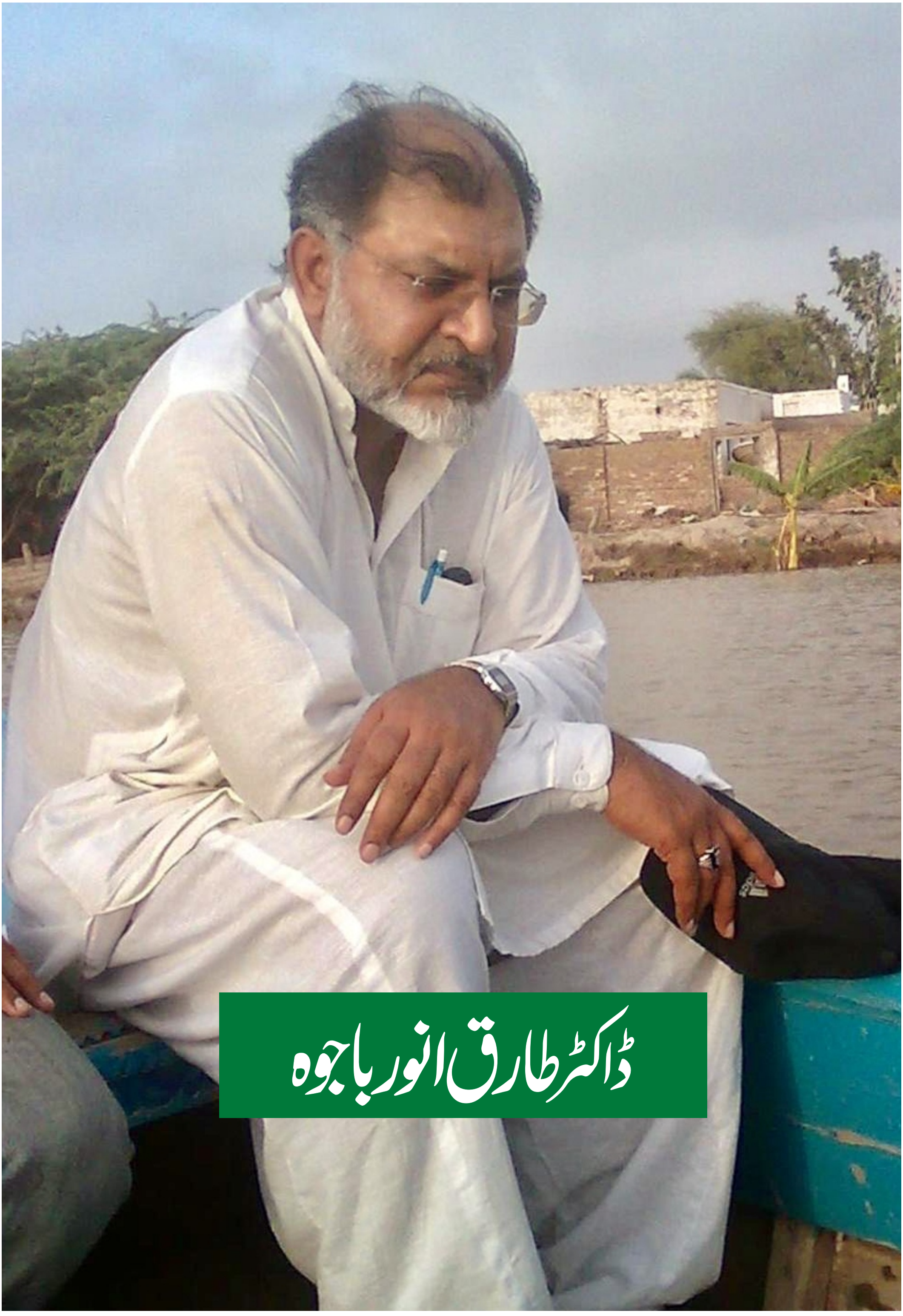
Dr.Tariq Anwar Bajwa

ISBN: 978-969-2211-55-0

اہتمامِ اشاعت

مہر گرافکس اینڈ پبلشرز

Mob:0302-3761868, 0306-5267717
E-mail:m.saqlain868@gmail.com


ڈاکٹر طارق انور باجوہ

انتساب

حق کے متلاشیوں کے نام

اے مرے پیارے مرے محسن خدا
تُو نے ہیں پیدا کئے ارض و سما
اور انساں بھی تو ہے عالم صغیر
یہ بھی ہے اک آئنہ ابصار کا

فہرست

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

میرا احساس لکھتا ہے

خاکسار گزشتہ بیس برس سے لندن میں مقیم ہے۔میرے یہاں آنے کے قریباً ایک سال بعد محترم ڈاکٹر طارق انور باجوہ صاحب سے غائبانہ تعارف یوں ہوا کہ سنہ ۲۰۰۰ء میں موصوف فجر کی نماز کے لئے تشریف لا رہے تھے کہ مسجد کے داخلی گیٹ کے قریب ہی چند نسل پرست گوروں نے حملہ کر دیا۔موصوف زخمی ہوئے اور بے ہوشی کے عالم میں گیٹ کے قریب ہی گر پڑے۔ایمبولینس آ کر انہیں ہسپتال لے گئی۔اللہ کے فضل سے وہ کسی گہری چوٹ سے محفوظ رہے۔

میں ایک گوشہ نشین آدمی ہوں۔زیادہ لوگوں سے رابطہ نہیں رکھتا۔واٹس ایپ کے ایک گروپ ''گلستانِ احمد'' میں میری ایک غزل شائع ہوئی تو باجوہ صاحب موصوف نے اسے ترنّم سے پڑھ کر بھجوا دیا۔میں نے اسے سن کر لکھا کہ ''الحمدللہ کے بعد خاکسار ایک حیرت کے ساتھ آں مکرّم کا شکر گزار ہے کہ اس ناچیز کے کلام کو آں مکرم نے یہ اعزاز بخشا۔

شکریہ محترم! مولا کریم آپ کے ظرف کو وسیع تر کرتا چلا جائے۔آمین''

باجوہ صاحب نے لکھا ''میرے لئے اعزاز ہے آپ کا کلام پڑھنا، اگرچہ بہت سے بہتر پڑھنے والے ہوں گے۔''

غزل جو پڑھی گئی یہ تھی

ایک سے صحرا چمن جب دل بجھے
کب کوئی بھائے سُخن جب دل بجھے

آدمی شاعر ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔ میرے علم کے مطابق جتنے معروف اور مشہور شاعر ہوئے انہوں نے سکول کے زمانے ہی میں کچھ نہ کچھ کہنا شروع کر دیا تھا۔ محترم باجوہ صاحب سے پہلی ملاقات طے شدہ ہونے کے باوجود دو تین منٹ تک ہی جاری رہ سکی (اکتوبر ۲۰۲۰ء کے پہلے ہفتہ میں) دوسری ملاقات اس کے ایک ہفتہ بعد دو تین گھنٹے تک جاری رہی۔

میرے مطابق شعر، شاعر کا قول ہوتا ہے لہٰذا اس کے لئے خود اپنے قول کے مطابق ہونا لازم ہے۔ جبکہ عام طور پر۔۔۔۔آپ خود جائزہ لے لیں۔

موصوف میں '' مَیں'' یکسر ندارد! مَیں نے ان کو اپنی ذات میں اپنے کلام کے عین مطابق پایا ہے۔ اسی بنا پر مجھے ان سے محبت ہے۔

احقر

طفیل عامر

(محمد طفیل سندھو)

پیش لفظ

ڈاکٹر طارق انور باجوہ صاحب، سخن سمندر کے شناور ہیں۔ جب چاہتے ہیں، اس کی گہرائی سے صدف، گہر اور انمول موتیوں جیسے اشعار نکال لاتے ہیں۔

ایسے غواص ہیں کہ اس محیطِ بیکراں سے نت نئے گوہرِ نایاب تلاش کر لیتے ہیں اور شاید ہی کوئی ایسا دن ہوتا ہوگا جب ان کے دامِ خیال میں نئے سے نئے موضوعات اور معانی نہ آتے ہوں لیکن مجال ہے ان کی طبعِ رواں میں کوئی رخنہ پڑتا ہو بلکہ حال وہی ہے جو غالب نے فرمایا ہے۔

ع رکتی ہے میری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

آپ اس پر زود گوئی کا ٹھپّہ بھی نہیں لگا سکتے کیونکہ فنی اور معنوی لحاظ سے ان کے اشعار علم العروض اور مروّجہ شاعرانہ ابلاغ کے میزان پر پورے اترتے ہیں۔ آپ کو ان میں کوئی جھول نظر نہیں آئے گا۔

کچھ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اشعار مقصدیّت کے پیشِ نظر کہے گئے ہیں۔ ہاں ان کا ایک مقصد تو ہے اور وہ اپنے محبوب سے والہانہ لگاؤ کے سبب مجبور ہیں۔ کہ ان کی چاہت کو اپنے سُخن کے کینوس پر عمدہ سے عمدہ طور پر اجاگر کریں بلکہ ان کے اشعار اپنے محبوب کے بارے میں کُھل کر ابلاغ و اظہار کرتے ہیں۔

ع قسم خدا کی محبت نہیں عقیدت ہے

اور طارق انور باجوہ کے دیارِ دل میں اس ہستی کا بے پناہ احترام ہے۔ خود قارئین کو اِن اشعار میں یہی صورت نظر آئے گی۔

پھیلا ہے کائنات میں ہر سمت اس کا رنگ
نیرنگئ خیال کی حیرت نہ پوچھیئے

اس کے آنے کی خبر سُن کے چراغاں کرتے
عید کیا روز ہی دیوالی مناتے جاتے

قید کر سکتا نہیں سوچ کی پرواز کوئی
بال و پر کھول کے اُڑنے کا گماں رکھتا ہوں

اوّل اوّل تری عظمت سے ڈرا کرتا تھا
آخر آخر ہے جنوں تجھ کو میں پاؤں کیسے

الزام ہم نے اپنے ہی سر آپ لے لیا
انصاف کا مطالبہ ہم نے نہیں کیا

دل میں رکھی تلاش خود اپنی ہی ذات کی
پھر ساری کائنات کو چہرہ بنا دیا

وہ ایک ذات جس کی بات بات میں ہیں حکمتیں
ہماری جستجو تو ہے کہ اک ہمیں وہی ملے

تم نے خیال و خواب میں جا کر پناہ لی
میں بھی تو اس خیال سے سویا نہیں کبھی

یوں سرِ بازار اظہارِ تعلق کے لئے
تُو نگاہیں پھیر کر ایسے مجھے رُسوا نہ کر

پروفیسر مبارک احمد عابدؔ

۷ جولائی ۲۰۲۴ء

اظہارِ تشکّر

الحمدللہ کہ اپنا شعری مجموعہ ''سُخن سمندر'' پیش کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔اس سے پہلے میرے چودہ مجموعہ ہائے کلام کو جس طور سے پذیرائی ملی،اس کے لئے سب سے پہلے اپنے ربِّ کریم کا اوراس کے بعد فرداً فرداً تمام احباب کا تہہِ دل سے شکر گزار ہوں۔

میرے ذہن میں قرآنِ کریم کی یہ آیت تھی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تُو کہہ دے کہ:

''اگر سمندر دواتیں بن جائیں تا کہ میرے ربّ کے کلمات لکھ سکیں تو وہ ختم ہو جائیں گے خواہ ویسے ہی سمندر دوبارہ لے آئیں لیکن تیرے رب کے کلمات ختم نہیں ہوں گے''۔

تو اگر خدا تعالیٰ کی کائنات پر غور کیا جائے تو ایک آدھ نظم تو روزانہ کہی جا سکتی ہے۔اللہ کا فضل ہے کہ یہ سلسلہ جون سنہ ۲۰۲۰ء سے جاری ہے۔الحمدللہ

''لبّ لباب'' میں میرا، دسمبر ۲۰۲۰ء تک کا،سارا کلام شامل تھا۔اس میں سے غزلیات کا حصّہ الگ کر کے''چاک دامانِ جنوں'' کے نام سے شائع کیا گیا۔میری تیسری کتاب،جس کا نام استاذِ المکرّم پروفیسر مبارک احمد عابد صاحب نے ازراہِ شفقت''ہم قدم دم بدم'' تجویز فرمایا تھا، میں یکم جنوری ۲۰۲۱ء سے ۳۱ مارچ ۲۰۲۱ء تک کا کلام شامل تھا جو زیادہ تر غزلیات پر مشتمل ہے۔

''درآئینہ صفِ دوستاں'' میں یکم اپریل ۲۰۲۱ء سے لے کر ۳۰ جون ۲۰۲۱ء تک کا کلام شامل کیا گیا۔''نصیبِ چارہ گری'' میں یکم جولائی ۲۰۲۱ء سے ۳۰ ستمبر ۲۰۲۱ء اور ''بازگشت'' میں یکم اکتوبر ۲۰۲۱ء سے ۳۱ دسمبر ۲۰۲۱ء تک کا کلام شامل ہوا۔''پیتیم ہِن مَن سُونا'' میں یکم جنوری ۲۰۲۲ء سے ۳۱ مارچ ۲۰۲۲ء تک کا کلام شامل ہے۔

آٹھویں مجموعہ میں یکم اپریل سے ۳۰ جون ۲۰۲۲ء تک اور نویں ''مجموعہ سرنامۂ

نورؒ‘‘ میں یکم جولائی ۲۰۲۲ء سے ۳۰ ستمبر ۲۰۲۲ء تک کا کلام شامل ہے۔ دسواں مجموعہ خلافت سے متعلّق کلام پر مشتمل ہے جبکہ ’’ایک اور ایک گیارہ‘‘ اکتوبر ۲۰۲۲ء سے لے کر اگست ۲۰۲۳ء تک کے کلام پر مشتمل ہے۔ ’’بَرشِگالِ نُورؒ‘‘ ستمبر ۲۰۲۳ء سے لے کر دسمبر ۲۰۲۳ء تک کے کلام پر مشتمل ہے۔ ’’گمان سے یقین تک‘‘، جنوری ۲۰۲۴ء سے مارچ ۲۰۲۴ء تک اور ’’رنگِ وفا دیکھو تو‘‘ اپریل سے جون ۲۰۲۴ء تک کا کلام ہے۔ ’’سُخن سمندر‘‘ آخری دو مجموعوں سے لی گئی غزلوں کا انتخاب ہے۔

دیگر مہربانوں کے ساتھ محترم پروفیسر مبارک احمد عابد صاحب کا خصوصی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جو باقاعدگی سے میرا کلام دیکھ کر حسبِ ضرورت اصلاح بھی فرما دیتے ہیں۔

اس کتاب کا نام بھی ان کا منظور کردہ ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ کس قدر محنت کے ساتھ انہوں نے ایک ایک لفظ کا جائزہ لے کر اپنی مفصّل رائے کا اظہار فرمایا ہے۔

اس کے علاوہ میں اپنے ان اساتذہ اور دوستوں کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے اس قابل سمجھا کہ وقت نکال کر اپنی رائے سے نوازا۔ مکرم و محترم پروفیسر مبارک احمد عابد صاحب نے ہر بار ایک خوبصورت پیش لفظ سے نوازا اور محترم عبدالشکور صاحب نے امریکہ سے، مبارک احمد صدیقی صاحب اور خاص طور پر مکرم طفیل عامر صاحب نے اپنی خصوصی آرا سے نوازا۔ ڈاکٹر منور احمد کنڈے صاحب نے حسبِ معمول کتاب کا پر نہ صرف راِئے کا اظہار فرمایا بلکہ ہر دفعہ ایک خوبصورت نظم سے بھی نوازا۔ اﷲ ان سب کو صحت و سلامتی والی لمبی زندگی سے نوازے اور احسن ترین جزا عطا فرمائے۔ آمین!

دعا گو: ڈاکٹر طارق انور باجوہ

لندن، ۳۰ جون ۲۰۲۴ء

سیراب تا زمیں کرے ، دریا بنا دیا
دستور ، آسمان سے اترا ، بنا دیا

جب یہ زمیں بہشت تھی بھیجا گیا یہاں
انساں نے دیکھ اِس کو بھی ہے کیا بنا دیا

مقصد حیات کا تھا، تعلق خدا کے ساتھ
پھر کس نے اُس کو حاصلِ دنیا بنا دیا

وہ چاہتا تھا اس سے محبت کرے کوئی
خود کو محبتوں کا ہی شیشہ بنا دیا

دنیا کو امتحان بنایا خدا نے جب
پھر کس نے اِس کو ایک تماشا بنا دیا

بادل اتار کر کہیں دریا بہا دیئے
سورج کہیں پہ روک کے صحرا بنا دیا

دل میں رکھی تلاش خود اپنی ہی ذات کی
پھر ساری کائنات کو چہرہ بنا دیا

وہ ایک شخص معتبَر جس کا وجود ہے
تم نے اُس ایک شخص کو کیا کیا بنا دیا

طارِقؔ نکل نہیں سکے، کرنے اسے تلاش
تب اُس نے اپنے سامنے پردہ بنا دیا

چشمِ بینا کو نظر آئے وہ جلوہ پیار کا
محوِ حیرت ، دیکھ کر احسان ہے ، سرکار کا

تھا جو اسماعیل میں مادہ اطاعت کا بھرا
ہو گا بچہ بھی تو مظہر ، باپ کے کردار کا

لوگ کہتے ہوں اگر شوریدہ سر اور خود غرَض
کون موقع ڈھونڈتا ہے ، لطف کے اظہار کا

جانتا کوئی نہیں ہے اس کے اسرار و رمُوز
رازداں کوئی نہیں ، قدرت کے کاروبار کا

چاند، سورج سے منوّر ہو کے لگتا ہے حسیں
اور نظّارہ ستاروں میں اُسی چمکار کا

حسنِ یوسف میں نظر آئی تھی اک تیری جھلک
تھے محمدؐ ایک اُسوہ ، حُسن کے شہکار کا

دل کا اطمینان کھویا، ہم نے جب کھویا تجھے
ذکر کس سے اب کریں گے ہجر کے آزار کا

آتی جاتی سانس بھی مرہونِ منّت ہے تری
تیرے بِن کیسے گزارا ہو دلِ بیمار کا

ہر گھڑی ہے رابطہ جب تک کہ دم میں دم ہے یہ
دل کی دھڑکن نام لیتی ہے اسی دلدار کا

زندگی کی ناؤ ہاتھوں میں ہے جس کے، ناخُدا
فیصلہ کرتا ہے چن کر راستہ پتوار کا

سائباں بن کر ہمیشہ کے لئے رہتا نہیں
اعتبار آئے گا کیا پھر چرخِ ناہنجار کا

ڈھونڈ لے طارِقؔ اسے جو عمر بھر کا ساتھ دے
چاہیئے کیا ساتھ مل جائے اگر اَبرار کا

❀ ❀ ❀

لباس پاک صاف پر تمہیں جو داغ ہی ملے
خدا کرے تمہیں حقیقتوں کی آگہی ملے

ہمارا ہر خبر سے اب تو اعتبار اٹھ گیا
خبر درست ، ہو وہ چاہے تلخ ہی سہی ملے

ہماری اپنی مرضیاں تو ان کے آگے ہیچ ہیں
عمل ہو ان پہ کہہ کے یہ اوامر و نہی ملے

خرد نہ جب دکھائے کوئی ظلمتوں میں راستہ
خدا کھڑا کرے کوئی ولی جسے وحی ملے

خدا نہ گر کرے کلام ، کیسے ہوں کرامتیں
کہاں کسی کی پھر دعا قبول ہو رہی ملے

محبّتوں کا دعویٰ کرنے والے مل گئے بہت
جو دیکھا ان کو غور سے تو دامنِ تہی ملے

بہت سے قیمتی ہیں مشورے جو پیش کر دیئے
جو ڈھل گئے ہیں شعر میں وہ لفظ تو یہی ملے

وہ ایک ذات جس کی بات بات میں ہیں حکمتیں
ہماری جستجو تو ہے کہ اک ہمیں وہی ملے

نہ طارِقؔ ایسی بات کیجئے کہ آس توڑ دے
روایتوں میں دیکھئے ، یہ بات بھی کہی ملے

❀❀❀

وہ خُدا ہے! ، جُدا نہیں ہوتا
دل میں جب ماسوا نہیں ہوتا

بیٹھ جاتے ہیں آ کے بُت دل میں
بتکدہ خود بنا نہیں ہوتا

جا کے واپس نہ آ سکے کوئی
''ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا''

لوگ پھر کیوں بھٹکتے پھرتے ہیں
کیا خِضَر رہنما نہیں ہوتا

کیا ہوا اب کہ لوگ کہتے ہیں
بندگی میں بھلا نہیں ہوتا

نفرتوں کے نہ بیج بوتے گر
زہر دل میں بھرا نہیں ہوتا

یہ تو صحبت کا ہے اثر ورنہ
کوئی اچھا، بُرا نہیں ہوتا

باغ میں کب سے ہے بہار آئی
زخمِ دل کیوں ہرا نہیں ہوتا

عشق کا کچھ علاج ہو جائے
دردِ دل لا دوا نہیں ہوتا

سوہنی بھی ڈوب کر مرے کیا اب
گھر میں کچا گھڑا نہیں ہوتا

راستہ مجھ کو کیسے بتلائے
جس کو اپنا پتا نہیں ہوتا

بھول جاتے ہیں لوگ دنیا میں
کیا یہ خود ہی بتا، نہیں ہوتا؟

آس خود ہی نہ چھوڑ دے ورنہ
کوئی بے آسرا نہیں ہوتا

آس رحمت کی کیوں رکھے جس کے
رحم دل میں ذرا نہیں ہوتا

طارِؔق اس بے ثبات دنیا میں
دُکھ ہو یا سکھ ، سدا نہیں ہوتا

بِن مانگے دے رہا ہے خدا ، بار بار دے
جب جس کی چاہتا ہے وہ قسمت سنوار دے

اس کے حضور جھک کے کریں التجائیں جو
کرنے کو سارے کام فرشتے اتار دے

واجب ہے اس کا شکر کرے بندہ ہر گھڑی
دیتا ہے ایک دکھ تو وہ نعمت ہزار دے

طوفان لے کے آئے غضب میں وہ جب بڑھے
کشتی میں پھر کسی کسی کو پار اتار دے

جس دل میں اپنے پیار کی دیکھے وہ اک جھلک
لاکھوں گنا وہ آگے ہو کے اس کو پیار دے

ایسے بھی تو وفا کا کبھی امتحان لے
صیقل کرے وہ دشت میں جس کو اتار دے

پتّھر کو بھی بنائے وہ سونے کی اک ڈلی
کُندن بنا کے ہاتھ سے اپنے نکھار دے

دے کر وہ حکم باپ کو بیٹا کرو فدا
بیٹے کو پھر ہٹا کے وہ مینڈھا اتار دے

جب ہر قدم پہ ساتھ وہ دیتا ہے پیار سے
بندے کا بھی تو حق ہے وہ بھی جان وار دے

پڑتی ہیں جب ہمارے سر پہ آزمائشیں
''وہ دل ہی کیا جو خوف سے میدان ہار دے''

طارِقؔ اسی کی دی ہوئی ہے جب یہ زندگی
جاں بھی فدا ہوئی تو کہاں قرض اتار دے

❀❀❀

کہا کسی نے ہوئے ظلم کا سبب پتّھر
مگر تھا دل کا اندھیرا ، نہ تیرہ شب پتّھر

جواب ان کو دعاؤں کا کیسے ملنا تھا
بنا لئے تھے انہوں نے تو اپنے رب پتّھر

جو وہ نہ مل سکا ان کو تو سجدہ کرنے کو
پجاری لے گئے تھے اس کے گھر کے سب پتّھر

نہ جانے کیسے یہ قسمت پہ ہوں اثر انداز
کہ پہنے جاتے ہیں انگلی میں اب غضب، پتّھر

اگرچہ واقعہ گزرے یہ ہو گئیں صدیاں
کہو تو گریہ و زاری سنو بہ لب پتّھر

جُدائی ایسی ہوئی باپ کی تھی بیٹے سے
کہ انتظار میں آنکھیں ہوئی تھیں تب پتّھر

سوال جب ہوا تھا بھائیوں سے یوسف کا
جواب اس کو بھلا دے سکے تھے کب، پتّھر

پکارتی تھی اَحد کی صدا، زبانِ بِلال
گھسیٹا جاتا تھا سینے پہ رکھ کے جب پتھر

احد پہاڑ کے وہ خوش نصیب تھے کتنے
رسولِ پاک کے آئے تھے جو عقب، پتّھر

جہاں نماز پڑھائی گئی تھی نبیوں کو
نشاں ہیں قبلۂ اوّل کے با ادب، پتّھر

طواف کرنے گیا جب حرم تو دیکھ لیا
وہاں تو روندتے ہیں لوگ روز و شب، پتّھر

نصیب کیسا ہے اُس کا ہر ایک چومتا ہے
ہے ایک کونے میں کعبے کے جو عجب، پتّھر

جہاں میں پھولے سماتا نہیں ہے وہ طارِقؔ
وہاں پہ چھُو گئے جس کے بھی دست ولب، پتّھر

کہہ کے آئے ، حبیب ساری رات
میں ہوں تیرے قریب ساری رات

آنکھ کھلتی ہے اُٹھ نہیں پاتا
خواب دیکھا عجیب ساری رات

جان پروانوں نے فدا کر دی
شمع نے دی صلیب ساری رات

آ نہ جائے کوئی مرے گھر میں
جاگتا ہے رقیب ساری رات

اس کو لکھنا پڑا حساب بہت
کب ہے سویا حسیب ساری رات

تم تو ہو نرم گرم بستر میں
کوئی، ٹھٹھرا غریب ساری رات

وقت کم ہے اُٹھو کہ جانا ہے
کہہ رہا تھا نقیب ساری رات

التجا اس سے کر کے دیکھو تو
سن رہا ہے ، مجیب ساری رات

ٹل گیا ہو گا وہ دعاؤں سے
تھا جو خطرہ مہیب ، ساری رات

کون جاتا ہے اُس محلّے میں
پر نہ لوٹا نجیب ساری رات

تم تو سجدے میں گر گئے طارِقؔ
اُن کا سویا نصیب ساری رات

تُو جو چاہے تو بنا دے ، پیار کے قابِل مجھے
چاہتا ہوں یہ کہ ہو تقویٰ عطا کامِل مجھے

لا جرم ہے زندگی، بے بندگی، شرمندگی
ہوں ترا بندہ ، کیا ہے عشق نے گھائل مجھے

حُسن اس کا پوچھتے ہو! ، اس سے اندازہ کرو
ایک نظارہ ہی اس کا کر گیا بِسمل مجھے

احترامِ آدمیّت ہے شرَف انسان کا
ورنہ حیواں بھی لگے ہیں، پیار کے حامِل مجھے

رہنمائی کے لئے بھیجے گئے جتنے سفیر
سب نے بتلایا کہ کیا ہے زیست کا حاصِل مجھے

گو مجھے دعویٰ نہیں صحرا نوَردی کا مگر
اپنے دیوانوں میں رکھیو اے خُدا شامِل مجھے

جانتا ہوں ، ہے ادب پہلا قرینہ پیار کا
قُرب کے پہلے سبق نے ہی کیا فاضِل مجھے

لے کے جاؤں کس عدالت میں جہاں انصاف ہو
زخم خود دے اپنے ہاتھوں سے، کہے قاتِل مجھے

راستہ جب پوچھنا ہو، میں نظر آؤں انہیں
سب سمجھتے ہیں یہی معلوم ہے منزِل مجھے

عاجزی سے پیش آنے کا یہ مطلب تو نہیں
میرا دشمن بھی سمجھ بیٹھے کبھی بُزدِل مجھے

اس لئے رہتا ہے ہر دم اپنی سرحد کا خیال
حملہ آور ہو نہ شیطاں، پا کے یوں غافِل مجھے

اتنے بھی طارِقؔ رہے کیوں دنیا داری کے قریں
حشر کے دن ڈال دی ہے کس قدر مشکِل مجھے

❀ ❀ ❀

سب کو کب ہانکا جاتا ہے، صاحب ایک ہی سانٹے سے
تبدیلی ہوتی ہے ان میں، ڈھونڈیں لوگ جو چھانٹے سے

کچھ اصلاح کی نیّت سے کہہ دو تو غصہ کر جائیں
سنتے کب ہیں پیار سے وہ، ناراض بھی ہوں وہ ڈانٹے سے

ان کو بولو کر کے عمل، تعلیم پہ خود بھی دکھلائیں
دوجا گال کریں نا آگے، ڈر گئے ایک پہ چانٹے سے

رختِ سفر باندھا ہے، نکلے گھر سے اور اب ڈرتے ہو
پھول کی چاہت میں نکلے ہو، ڈرنا کیا پھر کانٹے سے

حیراں ہو کر ہم نے دیکھا، خود ہی ریڑھی والے نے
لانے کو شیزان تھا بھیجا، تنگ آئے تھے فانٹے سے

برتن ٹوٹ کے جُڑ جائے پر، جوڑ چھپے نظروں سے کب
ایک دفعہ ٹوٹی جو یاری، کب جڑ پائے گانٹھے سے

طارِقؔ شوق سے پھیلاؤ دنیا میں جو کچھ سیکھا ہے
علم کی دولت ایسی ہے جو ختم نہ ہو گی بانٹے سے

❀❀❀

رہتا ہے دردِ دل یہ ، بتایا نہیں کبھی
بے صبر بھی نہیں ہوں ، کراہا نہیں کبھی

بیٹھے ہو یہ سمجھ کے تم، اکتا گیا ہوں میں
تم نے مرے مزاج کو سمجھا نہیں کبھی

ہاتھوں سے اپنے پیارے کئے دفن ہیں مگر
نفرت سے قاتلوں کو بھی، دیکھا نہیں کبھی

سچ جاننے کا حوصلہ رکھتے نہیں ہو تم
مجھ سے سوال اس لئے پوچھا نہیں کبھی

تم نے بھی انتہائے ستم ، ہر قدم پہ کی
ہم نے بھی دل میں غم کوئی ، رکھا نہیں کبھی

گر جانتے تو غیر سمجھتے نہ تم ہمیں
تم نے ہمارے بارے میں جانا نہیں کبھی

تم نے خیال و خواب میں جا کر پناہ لی
میں بھی تو اس خیال سے سویا نہیں کبھی

عہدِ وفا نبھا کے جو رُخصت ہوا یہاں
مشکل حساب اس کا واں ہوتا نہیں کبھی

طارِقؔ دیارِ غیر میں بیٹھا ہوا ہے خوش
وہ اب وطن کی یاد میں روتا نہیں کبھی

''کچھ خواب خریدے تھے آنکھوں کی تجارت سے''
محروم ہوئے لیکن یوسف کی زیارت سے

دشوار تو ہوتا ہے، لفظوں میں بیاں کرنا
پڑھ لیتے ہیں لوگوں کو چہروں کی عبارت سے

پہلا سا طبیعت میں ہیجان نہیں باقی
جذبات پگھلتے تھے، سانسوں کی حرارت سے

سپنوں میں کبھی آ کر، وہ دیکھا کئے مجھ کو
سمجھائے یہ کون اس کو، باز آئے شرارت سے

الجھی ہوئی زلفوں کو وہ آپ ہی سُلجھا لیں
ہم روک رکھیں خود کو، ڈرتے ہیں جسارت سے

کہہ دیں جو نہیں اچھا، غیروں سے ملا کرنا
محفل سے اٹھاتا ہے ہم کو ہی مہارت سے

الزامِ محبت میں گر جُرم ہوا ثابت؟
کیوں دیکھے کوئی ہم کو اس طرح حقارت سے

غالب ہے جنوں آخر، کیوں ہوش کی دنیا پر
ہوتا ہے جو عشق اندھا، دیکھے وہ بصارت سے

ہو جائے سفر مشکل گر، دیتا ہے زادِ راہ
مایوس نہیں کرتا، خوش کر دے بشارت سے

ظاہر کے لباسوں پر کب اس کی نظر طارِقؔ
نزدیک وہ آنے دے، بس دل کی طہارت سے

❀ ❀ ❀

لوح و قلم ، دوات سے آگے ہے اک جہاں
دراصل پُل صراط سے آگے ہے اک جہاں

حائل ہمارے راستے میں ہے اگر تو کیوں
بہتے ہوئے فرات سے آگے ہے اک جہاں

اک بار غور سے اِسے دیکھیں تو علم ہو
اِس اپنی کائنات سے آگے ہے اک جہاں

عین الیقین ہو گا اسے دیکھ کر مگر
بے شک تری حیات سے آگے ہے اک جہاں

کیا دیکھتا ہے تُو ، تجھے اپنا نہیں پتہ
موجُود تیری ذات سے آگے ہے اک جہاں

سنتا ہے وہ صدا ، نہیں سننے کو کان پر
آوازِ شش جہات سے آگے ہے اک جہاں

نقشے میں کائنات کے، ذرّہ ہے یہ زمیں
تاروں کے کچھ نُقاط سے آگے ہے اک جہاں

دھوکے میں ہے، سمجھ کے اسی پر جو خوش ہوا
اس دہر کی بِساط سے آگے ہے اک جہاں

طارِقؔ بتوں کو توڑنے جاتے ہو دُور کیوں
کیا دل کے سومنات سے آگے ہے اک جہاں

❀ ❀ ❀

پیمانۂ صبر اس کا بھی جاتا ہے ، چھلک کیا
موتی سرِ مژگاں سے بھی جاتے ہیں ڈھلک کیا

احکامِ خداوندی بجا لانے کی خاطر
بیٹھے ہوئے بندے بھی ہیں مانندِ ملَک کیا

ہے طائرِ تخیل کی جو پرواز فلک پر
آمادہ ہے دکھلانے پہ وہ ایک جھلک کیا

تخلیق ہیں اُس ہاتھ کی اجرام یہ سارے
پھر ایک زمیں ، شمس و قمر ، سات فلک کیا

سُن کر انہیں ، رحمت نہ چھلک جائے گی تیری!
پہنچیں گی دعائیں بھی فقط عرش تلک کیا!

جا کر یہ برہمن سے کوئی اتنا تو پُوچھے
گر دل میں خدا ہے تو تِلَک کی ہے لَلَک* کیا

اک بندۂ کمزور، گنہگار جو ٹھہرا
لے جائیں گے دوزخ میں اسے پھر بھی مَلَک کیا

رحمت ہے محیط اس کی جو عالم پہ تو سوچو
بندہ جو جلے، اس کو نہیں ہو گا قلق کیا

طارِقؔ تجھے مرنے کا تو مرضی سے نہیں حق
جینا بھی تو ہے اس کی ہی بس مرضی تلک کیا

---

* لَلَک : امنگ، شوق، لالچ

ڈھونڈتے پھرتے ہیں گو دل میں نہاں ہوتا ہے
جلوۂ حسن تو دیکھے سے عیاں ہوتا ہے

آج بھی اُس کو اگر دل سے پکارا جائے
آج بھی طُور پہ وہ جلوہ کناں ہوتا ہے

بات ہو اس سے تعلّق کے نبھانے کی اگر
پھر کہاں سامنے کچھ سود و زیاں ہوتا ہے

جان بھی اس کے لئے لوگ دیا کرتے ہیں
پیار ، کہنے کو تو اک لفظ بیاں ہوتا ہے

گفتگو ہم سے ، دھیان اور کہیں ہو اس کا
گرچہ موجود ہو ، محفل میں کہاں ہوتا ہے

شک کی نظروں سے کوئی دیکھے تو مت گھبرانا
جب بھی ہوتا ہے یقیں ، پہلے گُماں ہوتا ہے

اب جو آئے ہو ذرا دیر ٹھہر جاؤ نا!
آج کل دل کا مرے خالی، مکاں ہوتا ہے

دل میں نفرت کی اگاتا ہے جو فصلیں ہر دم
موسمِ گل میں بھی مانندِ خزاں ہوتا ہے

طارقؔ اب عید پہ بھی دوست نہیں مل سکتے
کوئی منبر پہ کھڑا شعلہ فشاں ہوتا ہے

❀ ❀ ❀

بلاؤں میں بنا تھا جو سہارا یاد تو ہو گا
گھِرے ہو دشمنوں میں، ایک پیارا یاد تو ہو گا

بھٹک جائیں جو صحرا میں تو خضرِ راہ سا کوئی
سجھاتا ہے جو رستہ وہ ستارا یاد تو ہو گا

کسی کا حسن بن کر نقش بٹ جاتا ہے اجزا میں
مگر چہرہ اک ایسا بھی ہے، سارا، یاد تو ہو گا

جہاں کشتی کو ہو گا سامنا دریا میں طوفاں کا
تمہارے پاس جو آئے ، کنارا یاد تو ہوگا

بھری ہے ہر طرف دنیا مگر ہیں اجنبی سارے
وہ جس نے نام لے کر تھا پکارا یاد تو ہو گا

تمہارا اتنا کہہ دینا بھی کافی ہے جُدائی میں
تمہارے عشق کا کوئی ہے مارا، یاد تو ہو گا

ہمیں تم چھوڑ کر جاؤ گے رستے میں، نہیں ممکن
کسی کو یہ نہیں ہو گا گوارا، یاد تو ہو گا

چلے جائیں گے اک دن چھوڑ کر دنیا تمہاری ہم
کرو گے ذکر کچھ تم بھی ہمارا، یاد تو ہو گا

ہمیں طارِقؔ وفا کے نام پر جینا ہے، مرنا ہے
کِیا کس نے محبت کا اشارہ ، یاد تو ہو گا

جب شیطان نظر آتا ہے، پڑھتے ہیں لاحول
پڑھنا یہ لاحول ، کسی کا کھولے پر نہ پول

دیکھیں گے بازار میں اُس کا لگتا ہے کیا مول
بچھڑا یوسف مل جائے گا، ڈال، کنویں میں ڈول

سوچ سمجھ کر بات کیا کر، سنتے ہیں سب لوگ
اپنی میٹھی باتوں سے کانوں میں امرت گھول

اک دن مل جاتا ہے جس کی، دل میں ہو امّید
مایوسی میں کیوں پھرتا ہے ایسے ڈانواں ڈول

نازک دل تو ہوتے ہیں سب الفت والے لوگ
مت تنقیدی نظروں میں، ان دل والوں کو تول

سوچوں کا اک تیز بھنور ہے کھینچ رہا جو تجھ کو
تُو معصوم ہے ، چکّر دیتی دنیا ، ہے یہ گول

منزل اونچی ہے تیری ، سو جاری رکھ پرواز
اُڑتا جا اونچا ہی اونچا ، پر اونچا مت بول

دیکھا ہے انجام برا ، فرعون ہوں یا ہامان
دیکھ ، تکبّر والوں کو تو ، ربّ دیتا ہے رول

اُس کے دوارے جو بھی جائے خالی کب ہے آئے
دیکھ اسی کا در تو کھلا ہے ، آگے کر کشکول

کیا ہے تیری نسبت اُس سے اتنا تو بتلا
کس بنیاد پہ، سمجھا خود کو، تُو دانا بہلول

طارِقؔ خواہش تیری، اُس کے گھر کے کرے طواف
ملتا کیا ہے پیار میں اس کے، راز سبھی پر کھول

❀❀❀

ذرا سوچو ، اگر پوری تمنّائے عدُو ہوتی
نہ پھیلی اس طرح شہرت ہماری کُو بہ کُو ہوتی

تکبّر چھوڑ دیتے ، عاجزی کی کچھ نمُو ہوتی
نہ یوں لڑتا جھگڑتا کوئی ، بس نرمی کی خُو ہوتی

تعصّب طاق پر رکھ کر اگر آتے وہ میداں میں
محبت کی زباں میں کچھ ہماری گفتگو ہوتی

ہمیں کہتے تو ملنے کے لئے خود ہم چلے آتے
ہمیں بھی شوق تھا کچھ بات اُن سے رُوبرو ہوتی

تجسّس نے ہمیں گھر سے نکالا سیر کرنے کو
کہاں ورنہ یہ دنیا دیکھنے کی آرزو ہوتی

تصّور میں تمہارے حسن کی تصویر جو بھی ہے
اُسے جب دیکھتے صورت وہی تو، ہُو بہُو ہوتی

مہک ماحول میں پاکیزگی کی وہ نظر آئی
ہوا جاتے ہوئے اس کی گلی میں باوضو ہوتی

اگر معلوم ہوتا تم کو، کتنا پیار کرتا ہے
تمہیں بھی اس کو پانے کی یقیناً آرزو ہوتی

تمہیں طارِقؔ خدا کو ڈھونڈنے کا شِوق ہے، سُن لو
وہ مل جاتا، اگر پانے کی سچی جستجو ہوتی

❀ ❀ ❀

یہ کس نے سب کے قبلے اور کعبے ملا دئے
آبادیوں میں کتنے خرابے ملا دئے

تعریف میں زمیں نے، فلک جب تھا مہرباں
تھے آسماں زمیں کے، قلابے ملا دئے

شکوہ نہ کر برس کے یہ بادل نہیں گئے
کیا ہو اگر برس کے ، دو آبے ملا دئے

ہم ہیں وہ لوگ ، بانٹتے ہیں جو محبّتیں
کیوں تم نے ہم سے، خون خرابے ملا دئے

شاید سمجھ ہی لیں گے یہ حکمت کی کوئی بات
جب تم نے نوجوانوں میں بابے ملا دئے

سنتا نہیں غزل کوئی اب ساز کے بغیر
گائی غزل تو شور شرابے ملا دئے

طارِؔق تلاش میں تھے محبت کی لوگ تو
کس نے دلوں کے بیچ، خرابے ملا دئے

❀❀❀

وہ ہماری جو شہ رگ سے بھی ہے قریں
ہے جھکی اس کے در پر ہماری جبیں

ذاتِ بارِی پہ اس کی ہمیں ہے یقیں
اُس کی مُٹھی میں ہیں آسمان و زمیں

یہ جو ارضِ مقدّس کی ہے سر زمیں
اُس کی میراث ہے، جس کے مومن، امیں

حکمران اِس پہ، اِس وقت ظالم، کمیں
سوچ سکتا ہے ہر اک ذہین و فطیں

کیسے ممکن ہے نصرت نہ پہنچے ہمیں
جب کہ وعدہ ہے، آئے گی فتحِ مُبیں

قولِ اُملی لَھُم کو تو دیکھا کیئے
جلد آ جائے گا ، وقتِ کَیدِی متیں

جب کہ تخلیق ہے اس کی سب کائنات
ہے وہی ذات اس لا مکاں کی مکیں

وہ مدد کو ہماری ضرور آئے گا
اُس نے وعدہ کیا ہے جو، انّی مُعیں

ہم نے دیکھا عدُو کا جو انجام ہے
اس نے دکھلایا بن کے ہے انّی مُھیں

ایک دن ہم پکاریں گے پھر زور سے
ذکرِ اللہ اکبر، یسار و یمیں

شرط اتنی فقط ہے کہ اُس کی سنیں
وہ بنایا گیا ہے جو حِصنِ حَصِیں

وہ خدا کی طرف سے جو مامور ہے
لا جَرَم اُس کی تعلیم ، سب سے حسیں

گو بظاہر بڑے ہشیار نظر آتے ہیں
دل کے کچھ کچھ مجھے بیمار نظر آتے ہیں

چاہیئے اُن سے کسی طَور ، کنارہ کرنا
کام سب جن کے ، پُراسرار نظر آتے ہیں

اُن کا حِکمت کے صحیفوں سے کیا جائے علاج
جن کے بگڑے ہوئے اطوار نظر آتے ہیں

دل دھڑکنا بھی علامت ہے، کوئی زندہ ہے
سانس چلنے کے تو آثار نظر آتے ہیں

ڈر گئے دھوکہ نہ دے بیچ بھنور کے ناؤ
وہ تو ساحل کے پرستار نظر آتے ہیں

منتظر لوگ ہیں اب کان سُنیں خوشخبری
پورا ہوتے ہوئے، انذار نظر آتے ہیں

جن کو سچ کہنے کی عادت ہے سو وہ بھگتیں گے
دیکھیئے کب وہ سرِ دار نظر آتے ہیں

حسن کا رعب تو دیکھا نہیں جاتا ہم سے
ایسے قدرت کا وہ شہکار نظر آتے ہیں

ڈھونڈنے نکلے تھے زندوں میں ولایت ہم تو
ہر جگہ مُردوں کے دربار نظر آتے ہیں

ہیں وہی لوگ جو ملتے ہیں بدل کر چہرے
ہاں وہی، جب بنے سرکار، نظر آتے ہیں

پیار ہی تجھ پہ نہیں ، دل بھی نچھاور کرتے
جاں فدا کرنے کو تیّار نظر آتے ہیں

کیسے طارِقؔ ہو مرے لب پہ شکایت کوئی
دوستوں میں سبھی ابرار نظر آتے ہیں

خیال آتا ہے دل میں، جھٹک رہا ہوں مَیں
سمجھ رہا ہے عدُو یہ بھٹک رہا ہوں مَیں

بیان سچ ہی تو کرنا ہے نظم کر کے مجھے
تو شعر کہتے ہوئے کیوں اٹک رہا ہوں مَیں

وہ بھولتا ہے مجھے اور نہ یاد کرتا ہے
کہ ڈانواں ڈول، کہیں پر لٹک رہا ہوں مَیں

کہ سچ کو جھوٹ سے کر کے الگ سمجھ آئے
جو بات کی ہے کسی نے پھٹک رہا ہوں مَیں

ہے اعتراض کِسے ، گُل کے مسکرانے پر
پتہ چلا ہے کسی کو، چٹک رہا ہوں مَیں

میں جانتا ہوں یہ طارِقؔ، کہ کون جلتا ہے
چمن میں کس کی نگہ میں کھٹک رہا ہوں مَیں

ہوں خار، کس کی نگہ میں، کھٹک رہا ہوں مَیں
ہوں اشک، آنکھ سے کس کی، ڈھلک رہا ہوں مَیں

اب اُس کے آنے کا امکان ہی نہیں باقی
نہ جانے کیوں ابھی رہ اُس کی تک رہا ہوں مَیں

کوئی تو آ کے مجھے روکتا، یہ سمجھاتا
اگر جُنوں میں خُرافات بک رہا ہوں مَیں

ثمر گرے تھے جو آندھی میں، ہو گئے برباد
لگا ہوں شاخ سے اب تک تو پک رہا ہوں مَیں

کلام سن کے میں شاعر کو بھانپ لیتا ہوں
سُخن شناس، نہیں اس میں شک، رہا ہوں مَیں

عدُو جو گالیاں دینے کو کہہ رہا ہے ثواب
سمجھ رہا ہے کہ شاید بھٹک رہا ہوں مَیں

سفر کٹھن ہے کبھی ڈر تو یہ بھی لگتا ہے
نہ صبح آنکھ کھُلی گر، کہ تھک رہا ہوں مَیں

ہے اس کے لطف و کرم کی نظر پڑی طارِقؔ
سمیٹے چاہ کی خوشبو، مہک رہا ہوں مَیں

❀ ❀ ❀

دل تِرا روشن کریں ، ظلماتِ شب
حاجتیں پوری کریں ، اوقاتِ شب

جب تلک ہو سامنے ، روشن ہو دن
چھُپ گیا سورج ، ہوئے لمحاتِ شب

نور دکھلاتا ہے جب تک راستہ
کب ڈرا سکتے ہیں پھر جنّاتِ شب

چاند تارے ساتھ اس کے ہو لئے
آ گئی ہے اس طرح، باراتِ شب

جانے کس جانب ہمیں لے جائیں یہ
جوش میں آ جائیں جب جذباتِ شب

ڈھونڈنے نکلے تھے جو لذّات کو
یہ نہ ہو گھیریں انہیں آفاتِ شب

عرش کے پائے ہلا دیں جا کے یہ
جب کبھی پہنچیں وہاں سجداتِ شب

دن کو جب ڈھونڈیں صراطِ مستقیم
کیوں نہ حاصل ہم کریں حسناتِ شب

''قدر'' کی شب نے دیا پیغام یہ
ایک جیسے تو نہیں درجاتِ شب

خوب چہرے پر جو اطمینان ہے
دن کو آتے ہیں نظر ، اثراتِ شب

نشّہ دن بھر جو نہیں پورا ہوا
میکدے کو چل دئے حضراتِ شب

ڈرتے ڈرتے دن گزاریں متّقی
کب انہیں لاحق رہیں خطراتِ شب

غفلتوں کے ہم اتاریں گر لحاف
جاگ کر پائیں گے ہم ثمراتِ شب

ذکر ہم نے کر دیا تھوڑا بہت
اور گنوائیں گے کیا برکاتِ شب

رات بھر طارِقؔ یہی کی ہے دعا
ڈھانپ لے مولا سبھی عوراتِ شب

❀❀❀

نہیں یہ زیب دیتا ، غیر کو دل میں بٹھا رکھنا
تجھے گر دیکھنے ہوں خواب، آنکھوں کو کھلا رکھنا

یہی رسم و روایت ہے، تقاضا عقل کا بھی یہ
بڑے لوگوں سے ملنا ہو تو دروازہ بڑا رکھنا

ہمارے ساتھ وابستہ رہو گے تو بھلا ہو گا
جہاں میں ہم کہیں جائیں ، مسلسل رابطہ رکھنا

سنا ہے شہر میں کچھ اجنبی ، مہمان آئے ہیں
کہیں ان کو ہماری ہو ضرورت ، یہ پتہ رکھنا

صنم خانوں کے بُت بھی اب اشاروں میں یہ کہتے ہیں
ہمارا کیا بھروسہ ہے، نہ ہم پر آسرا رکھنا

عجب ہے یہ اکیلے ہی چلے جانا سفر پر تو
ٹھہرنا ہو تو اپنے ساتھ کوئی رہنما رکھنا

بڑے دعوے سے کہتے ہو چلو گے دُور تک طارِقؔ
تو جس کے ساتھ چلنا ہے، بڑا اب حوصلہ رکھنا

❀❀❀

بمقام: جزیرہ کاس، یونان

ہجر کی شب آنسوؤں سے آنکھ کو دریا نہ کر
یوں کسی کی یاد میں تُو رات دن تڑپا نہ کر

ظرف اعلیٰ ہو تو کچھ اظہار ہونا چاہیے
گھونٹ دو پی کر کہیں ایسے یہاں ڈولا نہ کر

قیس کیا سکھلائے گا تُجھ کو سنورنے کا طریق
عشق کی اقدار لیلیٰ سے کبھی سیکھا نہ کر

رحمتِ باری سے مایوسی نہیں، امّید رکھ
اس کے در سے دور ہو کر در بدر بھٹکا نہ کر

یوں سرِ بازار ، اظہارِ تعلق کے لئے
تُو نگاہیں پھیر کر ایسے مجھے رُسوا نہ کر

ابتدا سے انتہا تک جو نظر آیا مجھے
تیرے سب خادم ہیں اعلیٰ، مجھ کو تُو ادنیٰ نہ کر

طارِقؔ اپنی زندگی گزرے جو اس کی چاہ میں
ہے یہی کافی بس اب کچھ اور تُو مانگا نہ کر

تازہ غزل ہوں نشرِ مکرّر نہیں ہوں میں
بگڑا ہوا کسی کا مقدّر نہیں ہوں میں

ہر دل عزیز ہوں سبھی ہیں جانتے مجھے
نازک سا آئینہ ہوں مَیں پتّھر نہیں ہوں میں

میرا گزر چمن سے ، تعلق گُلوں سے ہے
کہتا ہے کون بادِ معطر نہیں ہوں میں

دامن میں ہیر رانجھے ہیں لیلیٰ کا بھی ہے ذکر
کھو دے جو عقل پی کے، مخمّر نہیں ہوں میں

ہوتا ہے ذکر حسن کا، قصّے بھی عشق کے
محدود حُسن و عشق کے اندر نہیں ہوں میں

کرتے ہیں جب احاطہ مضامین مختلف
محدود ہوں تو اتنی مغیّر نہیں ہوں میں

آزاد شاعری کے میں ہتّھے نہیں چڑھی
گو حوصلہ ہے اتنی مخیّر نہیں ہوں میں

کہتے ہیں حمد و نعت بھی شاعر غزل میں تو
ہے عاجزی زباں پہ، مکبّر نہیں ہوں میں

طارِقؔ اگرچہ ذکرِ غزالاں سے پُر ہوئی
کوئی سمجھ نہ لے کہ مطہّر نہیں ہوں میں

❀❀❀

بمقام: یونان

پا لیا ہے جب سے ہم نے راز اُس کے پیار کا
کھل گیا دروازہ ہم پر حسن کے اَسرار کا

ہم تو اُس پر مر مٹے ہیں دیکھ کر اس کے نشاں
حال کیا ہو گا اگر موقع ملا دیدار کا

ایک اک نظّارہ، دل کو تھام کر دیکھوں جسے
بہتی دامن میں ندی یا راستہ کُہسار کا

ساحلوں پر سر پٹکتی موجیں یہ پیغام دیں
کیا نہیں موقع یہ اُس کے کبر کے اظہار کا

چاند میں کچھ اس کا جلوہ تو نظر آئے مگر
آئنہ ہے وہ فقط اُس حسن کے شہکار کا

وہ شبِ دیجور سی زلفیں اشارہ کر گئیں
سر کو جھٹکا تو ملا حل عقدۂ دُشوار کا

زندگی غفلت میں بیتی جا رہی ہے ہر گھڑی
کون جانے کس کو ہوش آئے گا اِن افکار کا

طارِقؔ اب بے چین رہتا ہے سکوں پائے نہ دل
جب تلک جلوہ نہ ہو جائے کسی دلدار کا

❁❁❁

بمقام: یونان

جھیل سی نیلی آنکھوں کی تعریف جو کی تو کیا ہوگا
کالی ناگن زلفوں کی توصیف جو کی تو کیا ہوگا

گرچہ اپنے مطلب کو الفاظ نہیں تبدیل کیئے
تم نے اس کے مطلب میں تحریف جو کی تو کیا ہوگا

شُہرت کو اہمیّت دی اور بھُولے یہ پوچھے گا کوئی
جھوٹی سچی لکھ لکھ کر تصنیف جو کی تو کیا ہوگا

رحمی رشتے توڑ کے تو نے ہاتھ ملائے دشمن سے
چھوڑا اعدل کو ورثے میں تنصیف جو کی تو کیا ہوگا

مانا تم نے خدمت کی کچھ بھولے بھٹکے لوگوں کی
دیکھ کے ٹوٹے دل تم نے تالیف جو کی تو کیا ہوگا

جانتے ہو کیا کیا کِیا اور کیا نہ کِیا پھر بھول گئے
اس نے اگر دینے میں سزا تخفیف بھی کی تو کیا ہوگا

پڑ کے دنیا داری میں ہے وقت اپنا بر باد کیا
دین میں رفتہ رفتہ یوں تصریف جو کی تو کیا ہوگا

طارِقؔ تھی ہمدردیِ بے جا، کس کس کو ناراض کِیا
حشر کی یاد دلائی کچھ تخویف بھی کی تو کیا ہوگا

❀ ❀ ❀

تصریف: گمراہی، تنزل
تخویف: خوف دلانا

آنکھوں سے کبھی دل میں اتر کیوں نہیں جاتا
آتا ہے گلی میں، مرے گھر کیوں نہیں جاتا

زیتون کے پتے لئے آیا ہے پرندہ
سیلاب ، محبت کا اتر کیوں نہیں جاتا

پتوار تو کشتی سے چلے تیز سفر میں
رستے میں جو آتا ہے بھنور کیوں نہیں جاتا

مدّت ہوئی چھوڑے ہوئے دنیا کی لگن تو
جیون میں ہے جو مدّ و جزر کیوں نہیں جاتا

بے وقت چلا جاؤں گا، تکلیف تو ہو گی
خوش ہو گے پتہ کر کے اُدھر کیوں نہیں جاتا

چپکے سے کسی شام، چلے آؤ گے ملنے
سپنا مری آنکھوں سے یہ دن بھر نہیں جاتا

منزل تھی نظر میں تو چلے راہ گزر پر
جب وصل ہوا ہے تو سفر کیوں نہیں جاتا

جیون میں کبھی عُسر، کبھی یُسر مقدّر
آہوں کا مری اب بھی اثر کیوں نہیں جاتا

آہٹ سے مرے آنے کی ہے اس کو توجّہ
جھک جانے کو چوکھٹ پہ یہ سر کیوں نہیں جاتا

ملتے رہے اِخلاص، لئے دل میں ہر اک سے
طارِقؔ وہ چلے جائیں گے ڈر کیوں نہیں جاتا

عمر گزری ہمیں اس بات کا عرفاں ہوتے
فِکرِ دُنیا رہی کیونکر ترے ، رحماں ہوتے

ہم وفا کرنے کا وعدہ ہی نبھا پاتے اگر
ہم کہیں اور نہ جاتے ترے مہماں ہوتے

صبر کرنا تو ہمیشہ سے تھی عادت اپنی
پُورے دشمن نے کئے ظلم کے ارماں ہوتے

ہجر میں ہم نے گزاری ہیں جو مشکل گھڑیاں
تُو جو مل جاتا ، کئی درد کے درماں ہوتے

آرزو دل میں رہی تجھ کو بلاتے گھر میں
تُو جو آ جاتا یہاں جشن کے ساماں ہوتے

یہ تو سب تیری محبت کا اثر ہے ورنہ
لوگ بے ساختہ یوں تجھ پہ نہ قُرباں ہوتے

آشنا ذات سے تیری نہیں دشمن ورنہ
حوصلہ دیکھ کے تیرا، وہ تو حیراں ہوتے

دیکھ پاتے جو کبھی ایک بھی جلوہ تیرا
حُسن کو دیکھ کے انگُشت بدنداں ہوتے

ہاتھ میں دے جو خزانے اسے انکار کریں
ہوں گے کچھ لوگ پر اتنے نہیں ناداں ہوتے

طارِقؔ اب اور کہیں ڈھونڈ ٹھکانہ اپنا
بھیڑ میں رہ کے نہیں سوچوں میں غلطاں ہوتے

❀ ❀ ❀

اوّل اوّل ہوئی تخلیقِ بشر ، پانی میں
تھا شجر پہلے ، گرا جس کا ثمر پانی میں

تیری تعریف کریں دیکھ کے اپنا چہرہ
عکس اپنا جو کبھی آئے نظر پانی میں

ہم سے کیا دور گئے دل سے بھُلا بیٹھے وہ
کس کو معلوم تھا ، اتنا ہے اثر پانی میں

وہ جو طغیانی میں تیراکی کا فن جانتے ہیں
وہ اتر جاتے ہیں بے خوف و خطر پانی میں

آسرا جینے کا صحرا میں نہ دے بن کے سراب
تجھ سے یہ کس نے کہا ڈوب کے مر پانی میں

چاند ہر روز اسے اپنی طرف کھینچتا ہے
وہ سمندر ہے رہے، مدّ و جزر پانی میں

جھیل کے چاروں طرف وہ جو شجر رہتے ہیں
منتظر ہوتے ہیں دیکھیں وہ قمر پانی میں

پار لے جانا ہو ناؤ میں، جنہیں لوگوں کو
وہ تو دن رات رہیں، شام وسَحَر پانی میں

کم بہت لوگوں کو رونے کا سلیقہ آیا
بہہ گئے کتنے ہی یاں لعل وگہر پانی میں

طارِقؔ آثارِ محبّت میں ہے، پانی کا شُمار
جب بہے آنکھ سے، ہوتا ہے اثر پانی میں

❀❀❀

کل گیا کوئی ، کوئی آج چلے جانا ہے
زندگی تیرا فقط اتنا سا افسانہ ہے

کوئی احسان تمہارا نہیں لَوٹا پایا
اس کے بدلے میں نہیں علم کہ کیا پانا ہے

سب گلِے شکوے یہیں پر ہیں دھرے رہ جانے
اور پھر لَوٹ کے کب کس نے یہاں آنا ہے

لوگ بدلیں گے ، زمانے کو بدلنا ہو گا
منقلب دَور زمانے نے یہاں لانا ہے

حادثے تم پہ جو گزرے ہیں انہیں بھول گئے
تم تو کہتے ہو زمانے کا بھی غم کھانا ہے

بات کچھ روز کی ہے اور بھی ہنس لو ہم پر
ہم سے کیا کیا نہ ہوا تم نے ہی چلّانا ہے

جانتے ہیں کہ ہمی ہوں گے نشانہ تیرا
زندگی اور بھی کیا کوئی ستم ڈھانا ہے

کہکشاؤں سے پرے دیکھی تھی منزل اپنی
جب ملے خاک سے پھر خاک کو پہچانا ہے

طارِقؔ آغازِ محبت میں بتایا تھا گیا
تم نے جاں دینے کو آسان بہت جانا ہے

❀❀❀

تُو ہے ساقی ، سبھی بتاتے ہیں
تیرے گھر جام پینے آتے ہیں

آئینہ عکس جب دکھاتا ہے
خود سے آنکھیں بھی ہم چراتے ہیں

لیلیٰ لیلیٰ کی دشتِ وحشت میں
مثلِ مجنوں صدا لگاتے ہیں

عقل والوں کا مسئلہ یہ ہے
دور کی کوڑی کھینچ لاتے ہیں

ہم تری ذات میں فنا ہو کر
کیا گنواتے ہیں، تجھ کو پاتے ہیں

ہاں ترا انتظار ہوتا ہے
دل کے آنگن کو جب سجاتے ہیں

جن کی خاطر دعا تُو خود کر دے
خالی کب لوٹ کر وہ آتے ہیں

دامنِ عشق اب مرا بھر دے
لوگ عاشق پہ مسکراتے ہیں

منع کرتے تھے مجھ کو پڑھنے سے
جامعہ میں وہ اب پڑھاتے ہیں

ہم نے طارِقؔ سنا ہے عشق میں وہ
سرخرو ہوں جو جاں لُٹاتے ہیں

❀❀❀

وہ جو تیرے دھیان میں کچھ ہے
فائدہ کیا گیان میں کچھ ہے؟

یہ بھی سوچا کہ ہو گا کیا انجام
وصل اس کا گمان میں کچھ ہے؟

ہاں ملے گی وہاں شرابِ طہور
ذکر اگلے جہان میں کچھ ہے

ان دنوں پھر تمہاری یاد آئی
زندگی امتحان میں کچھ ہے

لوگ آئیں گے خود بخود سننے
گر محبّت زبان میں کچھ ہے

لطف اٹھائیں گے سب اسے سُن کر
گر کہا تیری شان میں کچھ ہے

تیری خاطر اگر کیا جائے
فائدہ اُس زیان میں کچھ ہے

تُو نے سوچا بھی ہے کبھی طارِقؔ
تُو بھی کیا لامکان میں کچھ ہے؟

زخم و مرہم میں شناسائی کہاں سے آئی
مرنے والے کو مسیحائی کہاں سے آئی

عاشقوں کو کہاں عزّت سے بٹھایا جائے
ان کی قسمت میں پذیرائی کہاں سے آئی

وقتِ رُخصت ہے تو یوں لوگ ہیں رنجیدہ کیوں
پھر کسی ہاتھ میں شہنائی کہاں سے آئی

تیری محفل بڑی آباد ہوا کرتی تھی
راس پھر تجھ کو یہ تنہائی کہاں سے آئی

لوگ سر دھُنتے ہیں تقریر پہ تیری کیونکر
یہ بتا تجھ کو یہ گویائی کہاں سے آئی

تجھ سے اٹھا بھی نہ جاتا تھا کہ جب وہ آئے
لوگ کہتے ہیں توانائی کہاں سے آئی

مجھ سے اربابِ سخن جانے یہ کیوں پوچھتے ہیں
تجھ کو یہ قافیہ پیمائی کہاں سے آئی

عرش والے کی ہے یہ خاص عنایت طارقؔ
ورنہ قسمت میں یہ رُسوائی کہاں سے آئی

بات کرنے سے تم جھجکتے ہو
دشمنی پر ہی ناز کرتے ہو

جاں کا نذرانہ کیوں یہ پیش کریں
کُشتگانِ وفا سے جلتے ہو

کوئی اہلِ خرَد سی بات کرو
ہم پہ الزام یوں ہی دھرتے ہو

خود کو محصور کر لیا تم نے
قید سے بھی کہاں نکلتے ہو

دامنِ عشق تار تار کِیا
جھولیاں نفرتوں سے بھرتے ہو

شہر کی ہر گلی میں خطرہ ہے
لے کے تلوار اب نکلتے ہو

آتشِ شوق کیسے بھڑکے گی
دیکھتے ہی جو اس سے ڈرتے ہو

کیا تمھیں کچھ نہیں وہ بتلاتا
آئینہ دیکھ، خود بھی ہنستے ہو

ہم نے طارِقؔ دیا پیام اُس کو
کیا یہ بسنا ہے؟ تم جو بستے ہو

❀❀❀

کتنے مخمور ہیں ، محفل میں ترے آنے سے
پی ہے دو گھونٹ ترے سُرمگیں میخانے سے

لوگ کہتے ہیں جو دیوانہ انہیں کہنے دے
مجھ کو مطلب ہے فقط تیری رضا پانے سے

منتظر اور ہے اس پار جہاں تیرے لئے
فرق کیا دنیا میں پڑتا ہے ترے جانے سے

تیری تخلیق عبث تو نہ ہوئی تھی آخر
یاد رکھ کوئی تو مقصد تھا یہاں لانے سے

دور تک پھیلا ہوا جو ہے ثمر دار شجر
تخم ریزی تو ہوئی اس کی بھی اک دانے سے

فکرِ فردا سے ہو آزاد، اسے آج اُٹھا
بوجھ کل کون اتارے گا ترے شانے سے

باغباں ہم تھے، سمجھتے ہیں وہ اب خارِ چمن
پیڑ سے کیا انہیں مطلب تو ہے پھل کھانے سے

خوابِ غفلت سے جگایا تو برا مان گئے
شکوۂ سمع خراشی ہے مرے گانے سے

طارؔق ہم ان کی محبت میں ہوئے نغمہ سرا
تیغ ہم پر ہی نظر آتے ہیں وہ تانے سے

مصرعِ طرح

''تم بھی اگر ہو اس کے خریدار کچھ کہو''

مرزا محمد رفیع سوداؔ

کتنی ہے زندگی ہوئی دشوار کچھ کہو
عالم میں جنگ کے ہوئے آثار، کچھ کہو

یوسف تو آ گیا سرِ بازار کب سے ہے
''تم بھی اگر ہو اس کے خریدار کچھ کہو''

تم ظلم دیکھ کر بھی ہو خاموش کس طرح
کہتے ہو خود کو تم بھی تو خود دار، کچھ کہو

آیا ہے اور بھی کوئی میدانِ جنگ میں؟
دشمن نے ہر طرف سے کی یلغار ، کچھ کہو

کانوں پہ جوں بھی رینگتی دیکھی نہیں کہیں
ہم سے ہی کہہ رہے ہیں کہ بے کار، کچھ کہو

سچ بولنا صحافتی دنیا میں جُرم ہے
لکھنے لگے ہیں جھوٹ کے انبار، کچھ کہو

سب بحر و بر فساد کی زد میں ہیں دِکھ رہے
اک ہم ہی تو نہیں ہیں گنہ گار، کچھ کہو

ساری صدائیں کر چکا خاموش اب عدُو
امّت کے ایک تم بچے غم خوار، کچھ کہو

آنکھوں کے سامنے ہوا ہے ظلم اس قدَر
دکھ کا ہوا ہے سرسری اظہار، کچھ کہو

رنگین خون سے ہے فلسطیں کی سرزمیں
کیسے بنے گا یہ لہو گلزار، کچھ کہو

امید مغفرت کی لئے آگئے ہیں ہم
آشاؤں کے محل نہ ہوں مسمار، کچھ کہو

طارِقؔ زبانِ حال حقیقت بیاں کرے
ہر کام ہو گیا ہے پُر اسرار، کچھ کہو

❀ ❀ ❀

جب کوئی خال خال جانتا ہے
وہ مرا بال بال جانتا ہے

لب ہلانا بھی کیا ضروری ہیں
جب دلوں کا وہ حال جانتا ہے

عزّتِ نفس کا ہُوا سودا
غیرتوں کا وبال جانتا ہے

مجھ پہ آیا جو ترس پوچھے وہ
اور کیا کیا کمال جانتا ہے؟

کون کیسی نظر سے دیکھے گا
اُس کا حسن و جمال جانتا ہے

عشق اور وہ بھی میں کروں اس سے
کیا ہے میری مجال جانتا ہے

رابطہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا
ہو گیا ہے بحال جانتا ہے

اب تو چاروں طرف نجیبوں کا
پڑ گیا کیسا کال جانتا ہے

کوئی چلتا نہیں بہانہ اب
ہے یہ کتنا محال جانتا ہے

خوف اس کو کوئی نہیں ہوتا
صرف اس کو جو ڈھال جانتا ہے

فکرِ دنیا کرے گا وہ کیونکر
اس کا سب جان و مال جانتا ہے

کام آتی ہے اس کی ستّاری
ہر کوئی اپنا حال جانتا ہے

وہ جو نغمہ سرا ہو، سب سُن لیں
سُر وہ سارے وہ تال جانتا ہے

طارِقؔ آؤ کریں جو وہ کہہ دے
وہ تو سب قِیل و قال جانتا ہے

آسماں تک رسَد نہیں ہوتی
جب محبت اشدّ نہیں ہوتی

عشق کی صبر آزمائش ہے
ضبط کی کوئی حد نہیں ہوتی

پاؤں چھُوتی ہے بچھ کے قدموں میں
گھاس گو سرو قد نہیں ہوتی

جب بھروسہ ہو اپنی طاقت پر
پھر خدا کی مدد نہیں ہوتی

باعثِ دشمنی ، جہالت ہے
ورنہ فطرت تو بد نہیں ہوتی

وہ جو کرتے نہیں سوال کبھی
کیا ضرورت بصد نہیں ہوتی؟

ہو نہ آزاد فیصلوں میں جو
بات اس کی سَنَد نہیں ہوتی

آنکھ جب تک نہ کھول دی جائے
روشنی تا ابَد نہیں ہوتی

عشق ہی کودتا ہے آتِش میں
اس کی قائل خِرَد نہیں ہوتی

دل سے نکلی ہو، شرط ہے طارِقؔ
وہ دُعا پھر تو رَد نہیں ہوتی

❀❀❀

وقتِ شب ، خود سپردگی کر دے
یوں فنا خاک میں خودی کر دے

چھا رہا یاس کا اندھیرا ہے
صبحِ امید! روشنی کر دے

آسماں کی طرف نگاہیں ہیں
دور ساری یہ تیرگی کر دے

حوصلے پست ہوتے جاتے ہیں
گرتی ہمّت کو پھر کھڑی کر دے

دل پہ کب سے خزاں کا عالَم ہے
کچھ تو موسم کی تازگی کر دے

کوئی برسات غیب سے برسا
ڈال امّید کی ہری کر دے

جب کسی کا ضمیر چھن جائے
عقل کی قید سے بری کر دے

کس کو تنہائیاں عزیز ہوئیں
دشت میں کون دل قوِی کر دے

ہجر ہے اور فراق کا عالم
دن بدل، وصل کی گھڑی کر دے

کہہ دے طارِقؔ تجھے جو کہنا ہے
تجھ کو تیرا خدا، جَرِی کر دے

❀ ❀ ❀

فرق بینائیوں سے لگتا ہے
زخم رُسوائیوں سے لگتا ہے

شہر میں لوگ سہمے رہتے ہیں
ڈر جو تنہائیوں سے لگتا ہے

جانے کب پھینک دے کنویں میں کون
خوف سا بھائیوں سے لگتا ہے

ڈھل گیا وقت کا بھی سورج اب
دیکھ ، پرچھائیوں سے ، لگتا ہے

آنے والا ہے کوئی گلشن میں
چمن آرائیوں سے لگتا ہے

جیسے منزل قریب آئی ہے
اتنی چڑھائیوں سے لگتا ہے

تہہ میں دریا بھی بہہ رہا ہو گا
دور تک ، کھائیوں سے لگتا ہے

مر مِٹے ، دیکھ کر وفا یہ دل
کب یہ ہرجائیوں سے لگتا ہے

کوئی دل میں اگر اتر جائے
پاؤں گہرائیوں سے لگتا ہے

عشق آیا نہیں ہے راس جسے
تلخ ، دانائیوں سے لگتا ہے

کوئی بارات لے کے آیا ہے
دُور ، شہنائیوں سے لگتا ہے

طارِقؔ اُس کی نظر پڑی ہو گی
تیری رعنائیوں سے لگتا ہے

❀❀❀

دھیرے سے زیرِ لب ہی یوں مُسکایئے نہیں
دادِ سُخن بھی دیجئے ، شرمایئے نہیں

کس کو پتہ چلے گا اگر بول ہی نہ پائے
ہم کو وہ کہہ رہے ہیں کہ سمجھایئے نہیں

خود اپنے آپ آئے جو کر لیجئے قبول
دامن کسی کے سامنے پھیلایئے نہیں

ہم نے تو کام ،عقل سے لینے کی،بات کی
اس بات کی طرف تو کبھی جایئے نہیں

مے خانے میں جو رات ملاقات ہو گئی
کُھل پائے گا نہ راز یہ گھبرایئے نہیں

سُن کر دلیل بات مری مان جایئے
وعدے سے اپنے ایسے مُکر جایئے نہیں

بنتا کوئی جو کام ہو تو رخنہ ڈالئے
لیکن کسی کے کام کبھی آیئے نہیں

بوئی نہیں جو فصل زمیں پر چلا کے ہل
اس کو تو آسمان پہ بھی پایئے نہیں

بویا اگر نہ پیڑ ثمر دار کوئی یاں
پھل اس کا جا کے اگلے جہاں کھایئے نہیں

مشکل میں کام آئے ہمی، آپ کے جناب
لیکن کسی کو بات یہ بتلایئے نہیں

لایا نہیں ہوں حرفِ شکایت زبان پر
منہ بات بات پر مرا کھُلوایئے نہیں

جھنجوڑنے کی دیں گے وہ طارِقؔ کڑی سزا
رہنے دیں محوِ خواب ہی جگایئے نہیں

❁ ❁ ❁

یہ تو ایسی نہیں ہے بات نئی
روز ہوتی ہے شہ کو مات نئی

دل پہ پہرے بٹھا کے رکھے تھے
ہو گئی کوئی واردات نئی

خوں نہتّوں کا روز بہتا ہے
کب شہیدوں کی ہے برات نئی

دھوکہ دینا ہے ایک چالاکی
چال آئی ہے اس کے ہاتھ نئی

کب پذیرائی اس کو ملتی ہے
وہ جو تحقیق لائے ساتھ نئی

اب وہ تعبیر چاہے مرضی کی
رویا دیکھی ہے جس نے رات نئی

ناک نقشہ بدل گیا ہے اب
گرچہ لگتی نہیں ہے ذات نئی

اوڑھنی سر پہ کیوں نظر آئے
وہ تو اپنائیں گے حیات نئی

ہے ترقّی کے نام پر فتنہ
ڈھونڈی شیطاں نے اب ہے گھات نئی

اب تجارت ہو، اَور سکّوں سے
اُس میں سونا نہ کوئی دھات نئی

اگلے وقتوں کے لوگ ہم طارِقؔ
کیوں سُنیں کوئی واہیات نئی

❀❀❀

خزاں جو موسمِ غم کی ، گزار آئی ہے
چمن کو رحمتِ باراں ، نکھار آئی ہے

ملے گی منزلِ مقصود چلنے والوں کو
خرابی رہ میں اگرچہ ہزار آئی ہے

ملی ہے صبر کی تعلیم ہم کو قرآں سے
ہدایت اس کے لئے ، بار بار آئی ہے

خدا کے نور سے روشن ہوئے ہیں دل اپنے
نصیب میں تھی عدو کے، جو نار آئی ہے

اٹھی تھی قلبِ مسیحا سے جو دُعا دیکھو
نصیب عرش پہ جا کر سنوار آئی ہے

نگاہ ڈال کے دیکھا ہے قُرب میں اپنے
دلوں میں شکر کے جذبے اُبھار آئی ہے

صدا کے ساتھ ہی تصویر آئی گھر گھر میں
ہوا کے گھوڑے پہ ہو کر سوار آئی ہے

ہیں کان منتظر اب تو ندا یہ سننے کو
خدا کے فضل و کرم سے بہار آئی ہے

خبر ملی ہے یہ طارِقؔ کہ ہو گی دید نصیب
خوشی بھی غم کی حدیں کر کے پار آئی ہے

تیری الفت میں ورے، سود و زیاں سے جاؤں
دعویٰ عشق میں یا ، اپنے بیاں سے جاؤں

خون آشام فضا، رقص میں وحشی پاگل
راستہ ہو گیا دشوار، کہاں سے جاؤں

سنگ دل کرتا ہے کیا اتنا عبادت کا غرور
میں ترے گھر بھی اگر جاؤں تو جاں سے جاؤں

میرے اندازِ تکلّم پہ تُو قدغن نہ لگا
دل ہے، پتھر تو نہیں، طرزِ فغاں سے جاؤں

دور رکھتی ہے تجھے حق سے فقط بد ظنّی
سوچ کر! لوں جو یقیں، وہم وگماں سے جاؤں

بد زبانی سے وہ جذبات مرے بھڑکائے
چاہتا ہو گا کہ میں حسنِ بیاں سے جاؤں

گھر میں چور آنے کا دھڑکا تو لگا رہتا ہے
در کھلا چھوڑ کے اپنا جو مکاں سے جاؤں

کون ہے تیرے سوا ، میرا سہارا مولیٰ
میں کہاں جاؤں اگر تیری اماں سے جاؤں

کوئی چارہ نہیں طارِقؔ جو محبت کے سوا
دل میں ہو ایک خدا، عشقِ بتاں سے جاؤں

''خداوندا! ترے یہ سادہ دل بندے کدھر جائیں''
نہ آشائیں تمنّا ئیں ، فقط حسرت، ٹھہر جائیں

لٹا بیٹھے ہیں اپنی زندگی ساری، کہ بچ جائیں
وہ گھر جس کے لئے دنیا میں ہو وہ در بدر جائیں

بسیرا کر لیا ہے کیوں چمن میں ان خزاؤں نے
انہیں کہہ دو، یہ موقع دیں تو ہم بھی اپنے گھر جائیں

نہیں ملتی ہے کوئی کامیابی ظلم کرنے سے
بُرا انجام ہوتا ہے، انہیں کہہ دو سُدھر جائیں

صفائی میں مجھے کب بولنے کی کچھ اجازت ہے
وہ سب اپنے گنہ لیکن مرے کاندھے پہ دھر جائیں

ہماری ہو کمی محسوس محفل میں نہ آنے سے
کچھ ایسے زندگی ہم بھی یہاں کر کے بسر جائیں

نری باتوں سے قائل کون ہوتا ہے ذرا سوچو
عمل ہوں وہ، کسی کے دل پہ کر کے جو اثر جائیں

ہمیں تو باغبانی کا خدا نے کام سونپا ہے
ثمر دیں اور سایہ دیں، لگا کر وہ شجر جائیں

ذرا سی دیر کو طارِقؔ، ہماری آزمائش ہے
خدا کا نام لیتے ہیں، تو کیوں غیروں سے ڈر جائیں

❀ ❀ ❀

فادرز ڈے پر

یہ مانا وہ دیر و حرم تو نہیں تھے
مقدّس عرب یا عجم تو نہیں تھے

مقدّر سے ماں باپ ملتے ہیں سب کو
کہ بس میں ہمارے ، جنم تو نہیں تھے

یقیناً ہے قدموں تلے ماں کے جنّت
پہ والد بھی جنّت سے کم تو نہیں تھے

مرے سر پہ تھے سائباں کی طرح وہ
کڑی دھوپ کے یوں ستم تو نہیں تھے

وہ مایوسیوں میں رہے اک سہارا
کسی اور کے یہ کرم تو نہیں تھے

مرے راستے پر نظر ایسے رکھتے
کہیں میرے بھٹکے قدم تو نہیں تھے

مرے قہقہوں پر نظر ان کی ہوتی
کہیں آنسوؤں سے وہ نم تو نہیں تھے

انہیں تو ہمیشہ یہی فکر رہتی
چھُپے میری خوشیوں میں غم تو نہیں تھے

بڑے غور سے میرے خط کو وہ پڑھتے
کہیں ان میں شکوے رقم تو نہیں تھے

انہیں دیکھ کر پھوٹتیں دل سے خوشیاں
یونہی ہنس کے رکھتے بھرم تو نہیں تھے

وہ ہو جائیں گے ہم سے اک روز رخصت
یوں خدشے بھی لیتے جنم تو نہیں تھے

وہ دن تھے کہ پڑھنے کو ملتا ہمیں سچ
کہ آسان بِکتے قلم تو نہیں تھے

وہ اچھے زمانے تھے ، ہاتھوں میں طارِقؔ
تھے پیالے کہیں ، جامِ جم تو نہیں تھے

❀❀❀

دِیں پہ حاوی ، جہاں ایوان ہوا جاتا ہے
باعثِ نوحۂ سلطان ہوا جاتا ہے

یاد رکھ تیری دو چار ہیں سانسیں باقی
اب یہ جیون ترا مہمان ہوا جاتا ہے

یاد ہے دیکھا کسی کو تو ہوئی پہلی غزل
اب مکمّل مرا دیوان ہوا جاتا ہے

وہ بسا ہے مری دھڑکن ، مرے انفاس میں بھی
دل ہی کیا اب وہ مری جان ہوا جاتا ہے

باعثِ فخر ہے قربانی کہ اُس کی رہ میں
جان دینا ہی مری شان ہوا جاتا ہے

رہنما خود کو جو کہلائیں ، انہیں دیکھے تو
آج شرمندہ مسلمان ہوا جاتا ہے

یہ مضامین ہر اک پر نہیں نازل ہوتے
شعر میرا ، مری پہچان ہوا جاتا ہے

طارقؔ آسائشِ دنیا سے مجھے کیا مطلب
جادۂ تنگ ، مرا مان ہوا جاتا ہے

❀❀❀

جو آئے کام کرنے، اب سمندر پار رہتے ہیں
وہاں بیکار تھے جو اب یہاں بیکار رہتے ہیں

خدا جانے اثر ماحول کا ہے یا ہوا کا ہے
جو دشمن تھے یہاں آپس میں کر کے پیار رہتے ہیں

پھٹکنے بھی نہ دیتے تھے وہاں نزدیک جو اپنے
انہی گلیوں میں آ کر وہ، بڑی سرکار رہتے ہیں

جنہیں بھاتے تھے ساون، بدلیاں، برسات کے موسم
یہاں آ کر اسی موسم سے وہ بیزار رہتے ہیں

جو ڈگری کے مطابق کام کرنے پر نہ تھے راضی
وہ شوفر بن کے سڑکوں پر سرِ بازار رہتے ہیں

جوانی کاٹ دی ساری ہے دولت جمع کرنے میں
ادھیڑ عمری میں لاحق ان کو اب آزار رہتے ہیں

حکومت کی مدد پر ہی گزارا کرنے والے بھی
بہت سے ڈگریوں والے پسِ پندار رہتے ہیں

خبر اُن کو نہیں ہوتی، ہیں کیسے ان کے ہمسائے
کہ ہیں وہ کون جوان کے پسِ دیوار رہتے ہیں

شکایت ہے بلا لیتے ہیں جو ماں باپ کو اپنے
کہ بوڑھے والدین ان کے یہاں لاچار رہتے ہیں

کہیں شکوہ یہ ہوتا ہے بہت خود سر ہوئے بچّے
کہ بچپن سے یہاں بچے تو خود مختار رہتے ہیں

غنیمت ہے کسی کو کوئی کافر بھی نہیں کہتا
یہاں چاروں طرف گرچہ سبھی کفّار رہتے ہیں

انہیں طاؔرِق تسلّی ہے جو ہجرت کر کے آ بیٹھے
یہاں انصار کرنے کو مدد تیّار رہتے ہیں

❀❀❀

طرحی غزل

(جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار مَر گئے)

آئی نہیں بہار تو بیکار مَر گئے
سارے گلاب چھوڑیئے ، سب خار مَر گئے

اہلِ خرد نے پا لیا غلبہ ، زمین پر
''جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار مَر گئے''

لائیں کہاں سے ڈھونڈ کے اس عشق کا علاج
جتنے طبیب،تھے ہوئے بیمار مَر گئے

اس عاشقی میں کھو دیا دل ، خوں جگر ہوا
اس عشق میں ہوئے جو گرفتار! ، مَر گئے

آئے کوئی فلک سے یہ زندان توڑنے
کچھ اس خیال میں پسِ دیوار مَر گئے

گردن سے جو اتار نہیں پائے اپنی طوق
وہ زندگی کے ہاتھ سے لا چار مَر گئے

عیسیٰ شفا عطا کرے دکھلائے رہ خِضَر
یوسف کے کب ہیں سارے خریدار مَر گئے

کس سے کریں زمانے کا اس دور میں گلہ
جن کے ضمیر زندہ تھے یک بار مَر گئے

بولے جو دل کے ہاتھوں سے مجبور ہو کے لوگ
ان پر وبال وہ پڑا ، نا چار مَر گئے

طارِؔق جنونِ عشق میں تھے مبتلا سبھی
زندہ ہیں وہ جو سارے مرے یار مَر گئے

❀ ❀ ❀

طرحی غزل

مصرعِ طرح

(یہ آگ وہ نہیں جسے پانی بجھا سکے)

بینا ہے کیا وہ آنکھ جو تجھ تک نہ جا سکے
جینا ہے کیا اگر کوئی تجھ کو نہ پا سکے

گرچہ ہوئی ہے عشق میں یہ آنکھ اشکبار
"یہ آگ وہ نہیں جسے پانی بجھا سکے"

انسان ہے بنا جو امانت کا ہے امیں
ارض و سما، جبل کہاں یہ بوجھ اٹھا سکے

تیری تلاش میں ہے 'بلٰے' کہہ کے اب تلک
دل سے ہے کون تیری محبّت بُھلا سکے

رُکتی ہے ہر حسین پہ جا کر اگر نظر
سب اس کو ڈھونڈتے ہیں ، تجھے جو ملا سکے

حیرت میں عقل ہے ترے بارے میں سوچ کر
وُسعت ہے دل کی کیسی جہاں تُو سما سکے

پنہاں ہے تیری ذات کا ہر ذرّے میں ثبوت
روحوں سے کون تیری محبت مٹا سکے

طارِؔق نظر جو آئے ، فریبِ نظر نہیں
ہے اور کون جلوے جو ایسے دکھا سکے

آنکھوں میں اشک ، تیری جدائی نہ لا سکے
باتوں میں تیری جھوٹ ، صفائی نہ لا سکے

مدہوش ہو کے ہوش کی باتیں کرے کوئی
کر دے نشہ جو دور ، کھٹائی نہ لا سکے

کرتا ہے رہنمائی ملے ، روح کو جو نور
وحشت ہو آنکھ میں تو رسائی نہ لا سکے

کرتے ہو اب گلہ مری اولاد ہے خراب
نیکی حرام کی تو کمائی نہ لا سکے

فرہاد کو بتاؤ کہیں جُوئے شِیر اب
تیشے سے کوہ کی بھی کھدائی نہ لا سکے

شیریں سخن کی ، بیوی سے اُمیّد ہی نہ رکھ
آتے ہوئے جو گھر کو مٹھائی نہ لا سکے

بکرے کی ماں نے خیر منائی ہے اس لئے
عیدِ بقَر پہ گھر میں ، قصائی نہ لا سکے

طارِقؔ خیال وخواب میں رہنے کی بات ہے
بیتی جوانی جا کے نہ آئی ، نہ لا سکے

❀ ❀ ❀

وقتِ سحر ، جمال کی صورت نہ پوچھیے
شامِ فراقِ یار کی وحشت نہ پوچھیے

پھیلا ہے کائنات میں ہر سمت اس کا رنگ
نیرنگیٔ خیال کی حیرت نہ پوچھیے

سینے میں جل رہی ہے یہ جو آگ عشق کی
حسن و جمالِ یار کی حِدّت نہ پوچھیے

ہر شے کو اس طرح سے مکمّل کیا گیا
صنعت کے اس کمال کی جِدّت نہ پوچھیے

مانا ہے لطف ، ہجر کے ایّام کا الگ
دلبر کے پھر وصال کی لذّت ، نہ پوچھئے

ہر دم وہی تو ہے مری آنکھوں کے سامنے
کتنی ہے اس کی یاد کی شدّت ، نہ پوچھئے

جی کر تو دیکھیئے کبھی اس کے لئے ذرا
آئے گی زندگی میں وہ راحت ، نہ پوچھئے

طارؔق ذرا سا ہاتھ ہلانے کی دیر ہے
اتنی ملے گی کام کی اجرت ، نہ پوچھئے

❀❀❀

ہُوں غزل گو ، مگر اُسلُوب جدا رکھتا ہوں
میں سخن کے سبھی مطلوب ، جدا رکھتا ہوں

خط حفاظت سے مجھے رکھنے کی عادت تو نہیں
اس کے آ جائیں جو مکتوب، جدا رکھتا ہوں

رند ہوں، وہ جو پلائے ، تو پیا کرتا ہوں
اس کا پیمانِ مشروب ، جدا رکھتا ہوں

دے کے دل ہجر میں آہیں تو بھرا کرتا ہوں
یہ الگ بات ہے ، محبوب ، جدا رکھتا ہوں

آئنہ بن کے دکھاتا ہے وہ اپنا چہرہ
شعر جو اس سے ہوں منسوب ، جدا رکھتا ہوں

ہے محبت کا تعلّق تو سبھی لوگوں سے
دوست جو مجھ کو ہیں مرغوب ، جدا رکھتا ہوں

یوں چکا چوند سے دنیا کی میں غافل تو نہیں
اس سے ہوتا نہیں مغلوب ، جدا رکھتا ہوں

طارِقؔ آزادیٔ اظہار کا قائل ہوں مگر
سوچ کرتی ہے جو مصلُوب ، جدا رکھتا ہوں

اک حسیں خواب کی تعبیر دکھاتے جاتے
ہم سے مل جاتے اگر آپ بھی آتے جاتے

ہے کوئی ایسی جگہ یاد نہ آؤ گے جہاں
ہم کہاں جائیں گے اتنا تو بتاتے جاتے

تم نے جانا تھا بصَد شوق چلے جاتے مگر
کوئی اچھا سا بہانہ تو بناتے جاتے

یہ مری خوبیٔ قسمت تھی کہ تھا عشق مرا
لوٹ آئے ہیں کئی بار وہ جاتے جاتے

وہ سرِ شام جلا دیتا ہے یادوں کے دیے
ہم سے اتنا نہ ہوا ان کو بجھاتے جاتے

وہ تو دھڑکن کی طرح ساتھ جُڑا ہے دل کے
دل رکے جب تو ہیں سینے کو دباتے جاتے

مکتبِ عشق میں داخل ہوئے اب دیر ہوئی
وہ نیا کوئی سبق ہم کو پڑھاتے جاتے

صبر سے ہم نے سہا عشق میں جو بھی گزرا
وہ دلاسہ ہی کوئی دل کو دلاتے جاتے

اس نے وعدہ ہی نہیں ہم سے کیا آنے کا
ورنہ رستے میں ہم آنکھیں ہی بچھاتے جاتے

وہ سرِ شام جو آ جاتا سرِ بام تو ہم
اس کی چوکھٹ پہ کوئی دیپ جلاتے جاتے

اس کے آنے کی خبر سن کے چراغاں کرتے
عید کیا ، روز ہی دیوالی مناتے جاتے

ہم کئی بار گئے ان سے فقط اتنا کہا
فیصلہ کوئی ہمارا بھی سناتے جاتے

ہم نے کچھ اور تو مانگا نہیں طارِقؔ تم سے
ساتھ دینے کا جو وعدہ تھا نبھاتے جاتے

❀ ❀ ❀

منفرد اس لئے اُسلُوبِ بیاں رکھتا ہوں
اپنے شعروں میں معانی کا جہاں رکھتا ہوں

جھانک کر دل میں مرے دیکھ نہ پائے کوئی
کیسے بتلاؤں کہ غم اپنے کہاں رکھتا ہوں

فائدہ میرا ہو، نقصان نہ ہو جائے کہیں
تجھ سے وابستہ کہاں سود و زیاں رکھتا ہوں

ہوں جو درویش تو لٹنے کا نہیں ڈر کوئی
کھول کر کھڑکیاں دروازے مکاں رکھتا ہوں

ہے کتاب ایک کھلی، زندگی ساری میری
ہاں محبّت کو تری دل میں نہاں رکھتا ہوں

قید کر سکتا نہیں، سوچ کی پرواز کوئی
بال و پر کھول کے اڑنے کا گماں رکھتا ہوں

میری خاموشی سے کمزوری کا مطلب نہ نکال
بول سکتا ہوں کہ میں منہ میں زباں رکھتا ہوں

طارِقؔ اِس بزم کے لوگوں سے شناسائی ہے
دوستی دشمنی ان پر میں عیاں رکھتا ہوں

اپنے جذبات کی شدّت کو چھپاؤں کیسے
یہ جو فرقت کے ہیں لمحات ، بِتاؤں کیسے

سرد راتوں میں ترے پیار کی پائی ہے تپش
میں ترے قرب کی حِدّت کو بھلاؤں کیسے

ہر کڑے وقت میں تُو نے ہی تو دلداری کی
تیرا در چھوڑ کے جاؤں بھی تو جاؤں کیسے

معرفت قرب میں تیرے جو عطا ہوتی ہے
ان خیالات کی جِدّت کو بتاؤں کیسے

لطف آتا ہے ترے بارے میں جو سوچتا ہوں
سوچتا ہوں کہ محبت کو بڑھاؤں کیسے

اوّل اوّل تری عظمت سے ڈرا کرتا تھا
آخر آخر ہے جنوں تجھ کو میں پاؤں کیسے

دیکھ کے چہرہ ترا کب کوئی عاشق نہ ہوا
حسن کے جلوے پہ قربان نہ جاؤں کیسے

طارِقؔ آغوش میں اس کے جو پنہ پائی ہے
اب کسی اور کو میں دوست بناؤں کیسے

❀❀❀

کھلاڑی کوئی بھی اچھا تمہیں ہزار لگے
مجھے تو کھیل کا میدان کاروبار لگے

ہمیشہ وقت کا دھارا تو ، تیز بہتا ہے
اسے غرض نہیں ڈوبے کوئی یا پار لگے

سمجھ میں آیا ہمیں واپسی کا ہے یہ سفر
گلوں بھری بھی اگر راہ خار دار لگے

اثر ہوا ہے زمانے کی جھوٹی باتوں کا
عجیب ہے تری ناراضگی بھی پیار لگے

یہ فصلِ گل ہے کہ آنکھوں میں موتیا اترا
یہ دھند سردی میں اتری مجھے غبار لگے

مجھے ستار کی آواز سے لگاؤ تھا
سبھی کے ہاتھ میں آیا مگر گٹار لگے

جو لے کے آیا ہے سب ڈگریاں ہی باہر سے
سیاسی رہنما مجھ کو تو وہ گنوار لگے

بیان جس نے بدل کر دیا ہے پھر اک بار
وہ کھا کے آیا ہے اب کے، کہیں سے مار، لگے

بھروسہ کیا کریں طارقؔ کہ پائیں گے منزل
وہی ہے ریل ، وہ انجن ہی ، بار بار لگے

❀ ❀ ❀

تیغ چھڑا کے ہاتھ سے تُو نے قلم عطا کیا
حق کے لئے ہی یہ قلم لکھتا رہے مرے خدا

مکر و فریب کو سدا آئینہ ہے دیا دکھا
سچ کو سدا ہے سچ کہا، جھوٹ کو ڈر رہے مرا

اب تُو دلوں کو کھول کر، نُور کا یوں ظہور کر
کتنے اسیرِ راہ و رسم جو ہیں یہاں ہوں اب رِہا

ظلم کی چکّیوں میں یوں پِستا رہے نہ اے خدا
وہ جو سمجھ رہا ہے یہ گھر سے جہاد پر چلا

ظلم کی حد ہوئی ہے اب کوئی نہیں تُو ہی بچا
ظلم کا ہاتھ روک دے اِس کو نہیں ہے کچھ حیا

آئیں تری طرف سبھی اس میں ہی سب کی ہے بقا
تیرے ہی در پہ ہوں جھکا تجھ سے کروں یہ التجا

جلا کر کہیں دل ، دیا کر دیا
یوں نور اس جہاں کو عطا کر دیا

عبادت میں ہم نے کمی جب نہ کی
خدا کا ہے کیا حق ادا کر دیا؟

اچٹتی سی ہم پر نظر ڈال کے
یہ کیا کیا ہمیں دلرُبا کر دیا

اٹھایا ہے چہرے سے پردہ ذرا
کرم دل پہ یہ بے بہا کر دیا

کیا تم نے اچھا ہمارے لئے
زمانہ یہ سمجھا ، بُرا کر دیا

رکھا بیچ میں اک قیامت کا دن
اسے وصل کا آسرا کر دیا

برے اور بھلے کا دیا علم جب
حسابِ جزا اور سزا کر دیا

تجھے پاک صحبت ہوئی جو نصیب
تجھے اس نے یار آشنا کر دیا

یہ اشکوں نے طارِقؔ کِیا معجزہ
ترا دھو کے دل کیمیا کر دیا

❀ ❀ ❀

بے سبب چاہے یہ دل جس کو سراہا جائے
کیوں نہ اس شخص کو جی جان سے چاہا جائے

جب کڑے وقتوں میں اس نے ہی رکھا تیرا خیال
پیار کا رشتہ اسی سے ہی نباہا جائے

زخم جو روح پہ لگتے ہیں نظر کب آئیں
یہ ضروری بھی نہیں ان سے کراہا جائے

جس نے دیکھا ہی نہیں روح کے اندر کیا ہے
کیسے ممکن ہے اسے تجھ سے بیاہا جائے

یوں تو ماں باپ کی خواہش ہو کہ ہر بچہ ہی
جس جگہ گزرے، کہیں لوگ وہ شاہا جائے

حسنِ ازل کو دیکھ کے دیوانے ہوئے ہیں
روشن ہوئی ہے شمع تو پروانے ہوئے ہیں

لاکھوں ہیں تیری دید کے طالب، امید وار
ان میں سے ایک ہم بھی تو پہچانے ہوئے ہیں

ایسا بھی بارہا ہوا جو دل کے تھے قریب
اسباب ان کے آنے کے انجانے ہوئے ہیں

گزری تھی ہم پہ کیا جو کبھی فاصلے بڑھے
آسان ظلم تم کو مگر ڈھانے ہوئے ہیں

روٹھے ہیں جو مناؤ کسی ڈھب سے بھی انہیں
ہم کو مناؤ کیا ہمی تو مانے ہوئے ہیں

آپ آئے ہم سے ملنے، عنایت ہے آپ کی
ملنے نہ دیں گے لوگ یہ تو ٹھانے ہوئے ہیں

اتنی ترقّی ہو چکی ہے میڈیا میں اب
قصّے حقیقتوں کے بھی افسانے ہوئے ہیں

طارِؔق فریبِ شہر سے واقف نہیں ہے تُو
اپنے بھی آئے جو یہاں ، بیگانے ہوئے ہیں

❁❁❁

چمن میں غنچۂ گل گر نہیں تو بُو کیا ہے
نہیں جو ساقی تو پھر جام اور سُبُو کیا ہے

کبھی میخانے میں جاؤ تو پوچھ لینا یہ
کہ مے پلانے کی ساقی کو آرزو کیا ہے

تماشا دیکھتے ہیں روز آنے جانے کا
وگرنہ شہر سے جانے کی جستجو کیا ہے

کہیں پہ رکھی ستم گر نے کچھ سزا ہو گی
ہر ایک بات پہ کہنے کی ہاں، یہ خُو کیا ہے

ستم ظریف نے مجھ سے کہا کہ ساتھ چلو
اسے خبر تھی کہ صحرا میں ہے جو لُو کیا ہے

صنم کو دیکھا ہے ہم نے قریب سے لیکن
نیا مزاج میں اس کے یہ رنگ و بُو کیا ہے

ہر ایک بات تو ہم اب بتا نہیں سکتے
ہوئی ہے ان سے ہماری جو گفتگو کیا ہے

طلسم خانۂ دنیا میں اک مری خاطر
سجا کے رکھی جو تصویر ہو بہو کیا ہے

دلوں کو دھویا ہے، جاتے ہو جو حضور اس کے؟
نہ ہو نماز میں لذّت تو پھر وُضو کیا ہے

ستم گروں نے مرا شہر روند ڈالا ہے
کہو کہ آنکھوں میں بہتی یہ آب جُو کیا ہے

تم آگئے ہو تمنّا لئے یہاں طارقؔ
تمہارے جیسا کوئی اور خوبرو کیا ہے

مارے پتّھر جو پاک دامن ہے
ورنہ ، انصاف محض بھاشن ہے

ہاتھ کاٹو جو چور کے ، دیکھو
گھر میں موجود اس کے راشن ہے؟

موسلا دھار برشِگالِ نور
ابر برسا ہے جیسے ساون ہے

وہ نہ جائے چمن اداس ہے اب
سیر کو گھر میں اس کے آنگن ہے

ہیں تماشائی بھی تو خطرے میں
شیر ہاتھی میں گرچہ ان بن ہے

نوجوانی بہار کی سی ہو
ہر کلی پر لگے کہ جوبن ہے

اس کے گھر کے پتے پہ چل نکلے
اصل مقصد تو اس کا درشن ہے

خوب گزری جو اب تلک گزری
ہاں گزارے کو اب تو پنشن ہے

آخری عمر کا نشاں ہے یہ
لوٹ آیا جو پھر سے بچپن ہے

ہر قدم پھونک کر رکھیں طارقؔ
جانے کس وقت ختم جیون ہے

روگ لیتا ہے جب بھی پال کوئی
پوچھتا کب ہے اس کا حال کوئی

وہ جو طیّب بھی ہو حلال بھی ہو
یوں تو ملتا نہیں ہے مال کوئی

جس کو مطلب نہیں کوئی تم سے
پھر بھی کرتا ہے دیکھ بھال کوئی

پیار یوں تو ہوا نہیں کرتا
اِس سے کم ہی ہوا نہال کوئی

سادہ دل تم پہ جاں لُٹا بیٹھا
تم سمجھتے ہو اس کی چال کوئی

حکمراں جو کیا گیا رخصت
کب ہوا پھر سے ہے بحال کوئی

مچھلیاں اور ہاتھ آ جائیں
پھینک دیتا ہے پھر سے جال کوئی

آخری بار یہ کرشمہ ہے
پھر تو ہو گا نہ یوں کمال کوئی

آزمائیں گے کیا اسے طارِقؔ
اس سا ہرگز نہیں جمال کوئی

❀❀❀

شعر کچھ لوگوں پہ اک بوجھ بنا ہوتا ہے
جاں غزل میں ہو تو سننے کا مزہ ہوتا ہے

پاؤ شیرینی نہ خوشبو نہ ملے ذائقہ کچھ
کچا پھل توڑ لیا جائے تو کیا ہوتا ہے

ہم جو سنتے تھے خطا ہوتے ہیں سب ہوش وحواس
عشق ہو جائے تو کیا ایسی سزا ہوتا ہے

ہم کوئی بات تکبّر سے جو کہہ دیتے ہیں
سامنے آتا ہے جو کچھ بھی کہا ہوتا ہے

اک حسیں کا میں فقط ذکر کیا کرتا ہوں
کیا قصور اس میں بتا میرا بھلا ہوتا ہے

اس کے قدموں میں چلے آتے ہیں گھائل ہو کر
شاذ ہی تیرِ نظر اس کا خطا ہوتا ہے

آنکھ کے اندھوں کی رکتی ہے ترقی ورنہ
آنکھ کا پردہ تقاضائے حیا ہوتا ہے

نشۂ عشق کی سرشاری نہ طارِقؔ پوچھو
مئے عرفاں کا اگر جام پیا ہوتا ہے

اشک بن بن کے وہ آنکھوں میں اتر جائے گا
دردِ دل اور بڑھے گا تو کدھر جائے گا

ضبطِ غم دیکھ کے دکھ اور بڑھا دے میرے
حوصلہ پا کے مقدّر تو سنور جائے گا

آب آئینے کی بڑھتی ہے شفافیت سے
دل کو دھویا تو یہ کچھ اور نکھر جائے گا

تجھ کو معلوم ہے یہ عام مسافر تو نہیں
راہ میں کانٹوں کے ہونے سے نہ ڈر جائے گا

زندگی بھر کے لئے پالا پڑا شیطاں سے
کوئی انساں تو نہیں وہ کہ سُدھر جائے گا

جانے کب اُس کی صدا آئے کہ واپس آؤ
سر کے بل پھر تو ہر اک بندہ بشر جائے گا

طارِقؔ اظہار کی نوبت نہیں آئی گر تو
جس کا جاگا نہ ضمیر اب بھی ، وہ مر جائے گا!

❁ ❁ ❁

حرص غالب جب ہوئی، انسان شیطاں ہو گئے
بھول کر انسانیت، دست و گریباں ہو گئے

امتحاں ہوتے ہیں جذبے بھی کبھی اخلاق کے
قہر میں دیکھا ہے انسانوں کو حیواں ہو گئے

جاں پہ بن آئی تو جائز ہو گیا مردار بھی
بھوک کی شدّت سے جب انساں، پریشاں ہو گئے

گو عموماً جھوٹ سے پرہیز ہی کرتے ہیں لوگ
سچ کی خاطر ہیں مگر کتنے جو قرباں ہو گئے

سچ نہ بولا گر، ندامت کی اسے سمجھیں نہ بات
جھوٹ گر بولا تو کیا اس پر پشیماں ہو گئے؟

گر نہیں لالچ کوئی، کچھ ڈر نہیں نقصان کا
جب کہا ایسے میں سچ، سمجھے کہ احساں ہو گئے

کر کے نیکی دیکھ لو خود اس کی ملتی ہے جزا
کیا نہ چہرے جو پریشاں تھے درخشاں ہو گئے

شہر ہو جاتے ہیں ویرانے، محبت کے بنا
جو گل و بلبل کی رونق سے گلستاں ہو گئے

کہکشاؤں سے پرے جاتی ہے ان کی روشنی
جو شبِ تاریک میں شمعِ فروزاں ہو گئے

مطمئن طارِقؔ وہی ہوتا ہے جو یہ سوچ لے
ہو گئی ربّ کی رضا حاصل تو شاداں ہو گئے

❁ ❁ ❁

مہ و انجم سے تاریکی جہاں کی دُور ہوتی ہے
دلوں کو چاندنی روشن کرے تو نور ہوتی ہے

ہے ظرف اپنا کہاں تک، دیکھ لینا بھی ہے یہ لازم
اگر ہو وصل کی خواہش، تو منزل طُور ہوتی ہے

انہیں اس سے غرض کیا چاند نکلا یا نہیں نکلا
مقدّر میں سدا جن کے شبِ دیجُور ہوتی ہے

تدبّر سے ہمیشہ کام لینا چاہیئے ہم کو
خوشی گرچہ وہی ملتی ہے جو مقدور ہوتی ہے

حسیں محبوب سے بڑھ کر نظر کوئی کہاں آئے
محبت کے نشے میں جو نگہ مخمُور ہوتی ہے

خدا ظاہر کرے خود ہی، محبت چھپ نہیں سکتی
وہ دنیا کی نگاہوں سے اگر مستور ہوتی ہے

ترقی چومتی ہے جب قدم اللہ والوں کے
کلیجے میں وہ دشمن کے بنی ناسور ہوتی ہے

صبا خوشبو لئے آتی ہے اس کے جب دریچے سے
نظر آتا ہے سب کو کس قدر مسرور ہوتی ہے

تمہیں بھی تجربہ ہوگا ملے ہو اس سے جب طارِقؔ
کہ اس کے سامنے تو روح تک، مسحور ہوتی ہے

تیسری جنگِ عظیم روکو مہم

اے سخنور اُٹھ کہ وابستہ ہے تجُھ سے انقلاب
تھام لے اپنا قلم اب چھوڑ طاؤس و رباب

پھیلتا جاتا ہے بحر و بر میں ہر جانب فساد
دیکھ لے اخلاق سے عاری ہوئے اہلِ کتاب

دہریوں سے کیا گلہ ان کا خدا کوئی نہیں
ہے خدا کے نام لیواؤں پہ بھی اس کا عتاب

دسترس دل تک نہیں ہے نور کی، پردے پڑے
روشنی تو دے رہے ہیں آفتاب و ماہتاب

رہبروں میں اہلِ دانش کا بڑا فقدان ہے
آ گیا سیلاب کہتے ہیں نظر آئے سراب

ہوش میں لانا ہے ان کو بھی سلیقے سے ہمیں
جن کی گھٹی میں پڑا ہے رات دن پینا شراب

خودسری، لالچ، تعصّب، ضد ہے اور ذاتی مفاد
مل کے ساری کر رہی ہیں عادتیں ان کو خراب

دے کے دروازے پہ دستک گر جگائیں گے نہ ہم
کیا بچا پائیں گے طارِقؔ! جو رہیں گے محوِ خواب

❀ ❀ ❀

الزام ہم نے اپنے ہی سر آپ لے لیا
انصاف کا مطالبہ ہم نے نہیں کیا

اس کو گماں نہ ہو کہیں بھولے ہیں ہم اسے
دامن ہوا تھا چاک جو اب تک نہیں سیا

کچھ عدل کی اُمید ، رکھی ہی نہ تھی کبھی
سُقراط نے بھی زہر کہاں شوق سے پیا

تاریک شب میں آسرا بھٹکے ہوؤں کا ہو
ہم نے تو جھونپڑی میں جلا کر رکھا دیا

فرقت میں اپنے آپ ہی کو کوستے رہے
کہتے یہ کیسے بِن ترے لگتا نہیں جیا

چھوڑا نہیں ہے، دُور تو دو چار دن ہوا
اس نے، مجھے یقین ہے ، دھوکہ نہیں دیا

طارِؔق فراق ، وصل سے پہلے ضرور ہے
جب تک نہ امتحان ہو ، راضی نہ ہو پیا

❀❀❀

طوافِ کعبہ

جنوں میں، تیرے میں گھر کا، طواف کرتا ہوں
گناہ تیرے ، یہ کہہ دے ، معاف کرتا ہوں

تُو جانتا ہے کہ نادِم ہوں میں گناہوں پر
بہا کے اشک، جو دل، پاک صاف کرتا ہوں

میں ہر قدم پہ ترا شکر ، تیری حمد کروں
کہ اختیار یہ رستہ، مَطاف کرتا ہوں

تری رضا مرا مقصودِ زندگی ہر دم
تُو روک دے جو میں اس کے خلاف کرتا ہوں

لباسِ تقویٰ مکمّل ہو، وہ رفو کر دے
گناہ کر کے جو اس میں شِگاف کرتا ہوں

نگاہِ لطف تری کا ہوا ہوں میں طالب
اسی لئے ترے گھر کا طواف کرتا ہوں

قبول کر لے دعائیں تُو اپنے بندے کی
تجھے یہ عرض پکڑ کر غِلاف کرتا ہوں

میں عبد ہوں ترا معبود ہے تو طارِقؔ کا
ہر ایک شرک سے میں انحراف کرتا ہوں

❀ ❀ ❀

جہاں چل رہی ہیں مخالف ہوائیں
ہوئیں زہر آلود اتنی فضائیں

اگر سانس لینے سے بھی خوف کھائیں
تو کیسے محبّت کی پینگیں بڑھائیں

ہیں بیکار جنگل میں دیں جو صدائیں
ہوئے ہیں جو وحشی کہاں لوٹ آئیں

ترے نیک بندے کہاں اور جائیں
ترے رُوبرُو کر رہے ہیں دعائیں

خدایا یہ سب دُور کر دے بلائیں
وطن کو مرے چیل کوّے نہ کھائیں

انہیں، رحم کر، سیدھا رستہ دکھا دے
نہ ہو، آگ نفرت کی، ان کو جلا دے

❀ ❀ ❀

بس میں یہ گردشِ حالات نہیں ہوتی اب
ضبط کیوں گرمیِ جذبات نہیں ہوتی اب

روشنی میں تو مجھے چلتے چلے جانا ہے
بیٹھ کر دن میں یونہی رات نہیں ہوتی اب

ہو گا احساں جو چلے آیا کرو خوابوں میں
تم سے ہر روز ملاقات نہیں ہوتی اب

گو بظاہر تو سمندر کی سی طغیانی ہے
دل کے اندر ہے جو وہ بات نہیں ہوتی اب

میں اُڑا جاتا ہوں طوفان میں بادل کی طرح
آگ پر پانی کی برسات نہیں ہوتی اب

زندگی شمع کی مانند پگھلتی دیکھی
جو بچی ہے، کیوں وہ سوغات نہیں ہوتی اب

نام بھی اس کا اگر لوں، تو بہت شور پڑے
خامُشی سُن کے یہ حالات نہیں ہوتی اب

ہار مانی تھی کبھی دل سے یہ اقرار تو ہے
روح کو اپنی کبھی مات،نہیں ہوتی اب

چھوڑ کر اس کو پتہ اور کہیں کیوں ڈھونڈوں
وہ کسی طور جُدا ذات، نہیں ہوتی اب

اس کی مرضی ہے ملے یا نہ ملے شکوہ کیا
تم سے پابندیِ اوقات نہیں ہوتی اب

کیا ہے مرضی تری، چاہے تُو، کہے وہ طارِقؔ
کیوں بھلا تجھ سے مناجات نہیں ہوتی اب

عجیب کیوں تجھے لگتا ہے بولتا ہوں میں
کہ میٹھا رس ترے کانوں میں گھولتا ہوں میں

میں غور و فکر جو کرتا ہوں کائنات پہ خود
بتائے راز ہیں اس نے جو کھولتا ہوں میں

کسی کی آنکھوں سے پیتا ہوں مے جو عرفاں کی
نشے میں اُڑ کے فضاؤں میں ڈولتا ہوں میں

فریب کار بھلا اس کی قدر کیا جانیں
صداقتوں کے خزانے جو رولتا ہوں میں

یہ کہہ کے، ڈال کے سوچوں میں وہ روانہ ہوا
کہ وہ خیال ہی جس کا نہ مول تھا، ہوں میں

ہے اعتراض مرے بولنے پہ طارِقؔ کیوں
کہ جو بھی بات کروں پہلے تولتا ہوں میں

جو کھانا ہمیں روکھا پھیکا نہ آیا
ہوئی کوئی شادی ، عقیقہ نہ آیا

وہ دینے کو تیّار تھا مانگتے جو
ہمیں مانگنے کا سلیقہ نہ آیا

گلِ تازہ اِخلاص سے پیش کرتے
مگر راستے میں حدیقہ نہ آیا

حقائق کو ہم نے کیا آشکارا
خوشامد کا ہم کو طریقہ نہ آیا

کیا تو بہت یاد کہنے کو لیکن
زباں پر قصیدہ انیقہ نہ آیا

بہت ٹوٹکے آزمائے ہیں ہم نے
یہ قابو میں دردِ شقیقہ نہ آیا

بہت نرم لہجہ رکھا ہم نے طارقؔ
پہ ماں جیسا لہجہ ، شفیقہ نہ آیا

ہے اس کی یاد ، پیار کی لذّت لئے ہوئے
پیدا ہوئے تھے ہم یہی فطرت لئے ہوئے

رہتا جمالِ تام ہے پردے میں گو نہاں
ہر شے ہے اس کا حسن و لطافت لئے ہوئے

جلوہ نما ہے اک وہی تو کائنات میں
پر چاہیئے نظر ہو محبت لئے ہوئے

قدرت سے اس نے اپنی بنایا ہے جو نظام
دیکھا ہے عقل نے اسے حیرت لئے ہوئے

نازاں تھے اپنی عقل پر جو صاحبِ شعور
لوٹے ہیں دل میں علم کی حسرت لئے ہوئے

یہ بھی ہوا ہے بارہا مُشکل میں جب پڑے
دیکھا ہے اس کو سامنے رحمت لئے ہوئے

گر اس کا جاہ وحشم ہو مدِّ نظر ہمیں
ہر اک مقام پر رہیں عزت لئے ہوئے

طارِقؔ اسی کے در سے ہیں وابستہ راحتیں
بیٹھو یہیں پہ فہم و فراست لئے ہوئے

❀❀❀

تیرِ نگاہِ یار کے آثار دیکھئے
سیدھا جگر کے ہو گیا ہے پار دیکھئے

حسن و جمالِ یار نے گھائل کیا ہے یوں
کھاتے ہیں زخم ، لذّتِ آزار دیکھئے

رہتا نہیں ہے عشق نہاں آگ کی طرح
بھڑکی ہے نار اب سرِ بازار دیکھئے

ہر بار حسن دیکھنے میں اور ہے مزہ
دیکھا ہے ، دل ہے پھر اسے اک بار دیکھئے

نظّارہِ جمال کی فرصت نہیں انہیں
کیسے ہیں ایسے حال سے دو چار دیکھئے

طارِقؔ فنا کا نعرہ لگایا ہے عشق میں
لٹکے کہاں کہاں پہ سرِ دار دیکھئے

❀ ❀ ❀

وقت کی چکّی میں پِس کر ہم کہیں کھو جائیں گے
ہم بھی کیا بِیتے زمانے کی طرح ہو جائیں گے

کیوں ترقّی کی طرف بڑھتے نہیں اپنے قدم
رُک گئے تو ہاتھ اپنی جان سے دھو جائیں گے

ہم فقط یہ کہہ رہے ہیں، تم بھی جینا سیکھ لو
زندہ رہ کر پھر مرو، ہو کر فنا تو جائیں گے

اب فسانے سب حقیقت ہو گئے، کب تک یہاں
سنتے سُنتے لوریاں بچے سبھی سو جائیں گے

زندگی بھر دوستی تم نے نبھائی ہے اگر
جان دینے کے لئے جانا ہے پوچھو جائیں گے

عہد و پیماں کر لیا طارِقؔ جو اس دلبر کے ساتھ
امتحاں کا کوئی دروازہ بھی کھولو ، جائیں گے

❀ ❀ ❀

مضمون کوئی کیسے ، سرِ خامہ آئے گا
سوچا ، تو ذہن میں کوئی افسانہ آئے گا

ہو ، ناپسند یا پسند ، آپ کا لکھا
تعریف میں کوئی نہ کوئی نامہ آئے گا

آنے سے آپ کے بھی جو رونق نہیں ہوئی
محفل میں اور کیا کوئی ہنگامہ آئے گا

کب تک رہیں گے آپ اسی انتظار میں
برسوں کے بعد ہی کوئی مہ نامہ آئے گا

خاموش شہر ، چپکے سے بتلائے گر سنو
اپنا یہاں نہ کوئی ، نہ بیگانہ آئے گا

اب تک چھپے رہے ہو جو گمنام تو نہیں
دنیا کے سامنے تو خبر نامہ آئے گا

جذبات اشتعال میں آتے ہیں جلد اب
قانون تو برائے نقصِ عامّہ آئے گا

طارِؔق تم اپنی فکر کرو کہہ رہے ہیں لوگ
پیچھے تمہارے اب کوئی علاّمہ آئے گا

❀❀❀

جانتی تھی کیا براہیمی نظر اِس راز کو
آگ ہو جائے گی ٹھنڈی، دیکھ کر جانباز کو

اب تو اس کی ہر ادا پہلے سے بڑھ کر ہے حسیں
عشق نے صیقل کیا ہے حسن کے انداز کو

گُفتگو اس سے کئے بِن رہ نہ سکتے تھے کبھی
اب تو بتلاتے نہیں وہ درد بھی ہمراز کو

ابتدا میں ، ایک سجدے سے گریزاں جو ہوا
آج بھی مانے ہے کب انسان کے اعزاز کو

جو چٹانیں چھوڑ کر اب آ گیا محلوں میں ہے
کیا ممولے سے لڑائے گا کوئی شہباز کو

آسماں سے جس کا اپنا رابطہ ہے ہی نہیں
روک پائے گا بھلا کیسے مری پرواز کو

میں نے تو ہر سمت دے دی ہے صدائے صبحِ نو
کوئی شاید جاگ جائے سن کے اس آواز کو

کیوں مریضِ وقت کا ملتا نہیں کوئی طبیب
ڈھونڈتی پھرتی ہیں نظریں گو کسی اعجاز کو

پھر نظر آئے گا موسیٰ پھینکتے اپنا عصا
ہارتے دیکھیں گے پھر لائے جو نو سر باز کو

بے تکلّف لوگ بھاتے ہیں مرے دل کو بہت
کیسے ردّ کرتا بھلا میں دعوتِ شیراز کو

طارِقؔ اہلِ شہر سے، اپنا بھروسہ اُٹھ گیا
ڈھونڈتے ہیں گاؤں میں چل کر کسی دم ساز کو

❀❀❀

حق کو حق کہنے کی ہے، باقی جسارت رہ گئی
زندگی کی زندگی میں کچھ حرارت رہ گئی

گو فرشتوں نے کیا تحریر سب نامہ مرا
خامشی سے درد سہنے کی عبارت رہ گئی

دشمنوں سے آج تک ٹوٹا نہیں ہے حوصلہ
امتحاں لینے کو باقی کیا مہارت رہ گئی

اس کی خاطر دُکھ اُٹھایا جس نے پائے گا جزا
کون کہتا ہے کوئی، محنت اکارت رہ گئی

تھا بہاروں کا وہ مسکن، گھر مرا گلشن نما
کر کے ہجرت جب گئے، خالی عمارت رہ گئی

اس نے دیکھی جب مری کم مائیگی اتنا ہوا
جاتے جاتے اس کی آنکھوں میں شرارت رہ گئی

وقت بدلے گا ، تُجھے عزّت سے دیکھے گا عدُو
دُور ہو گی اُس کے دل میں جو حقارت رہ گئی

آ رہا ہے وصل کا موسم، ہوا رنگیں چمن
دیکھنے کو حسن اُس کا ہے بصارت رہ گئی

اب ملاقاتوں کے دن آتے ہیں تھوڑا صبر کر
تیرا شکوہ دور ہو گا ، کیوں زیارت رہ گئی؟

خوب دھو کر ہم پہن آئے ہیں تقویٰ کا لباس
فکر ہے کہہ دے نہ وہ دل کی طہارت رہ گئی

طارِقؔ اتنی بات کو لے کر بھلا بیٹھے ہو کیوں
پورا ہونے کو تو ، جنت کی بشارت رہ گئی

❁ ❁ ❁

اب کس کو حال ، دل کا بتایا کرے کوئی
جب ایسے یاد آ کے ، ستایا کرے کوئی

وہ آ گئے ہیں اب تو ذرا کھل کے سامنے
سپنوں سے دل کو اپنے سجایا کرے کوئی

چھلنی ہوئی ہے روح اسے دُکھ میں دیکھ کر
ایسے میں غم کو میرے بھلایا کرے کوئی

اس کا مطالبہ ہے فقط ایک بات کا
وہ روٹھ جائے گر تو منایا کرے کوئی

حسن و جمالِ یار کا بھی ذکر خوب ہے
میں گیت اس کے لکھوں تو گایا کرے کوئی

آنکھیں بچھا کے رکھی ہیں میں نے تو راہ میں
مہمان بن کے گھر میں تو آیا کرے کوئی

دیکھا مجھے تو دشمنِ جاں نے بھی یہ کہا
بیٹھا ہے کب سے دھوپ میں، سایہ کرے کوئی

حیوان بھی تو رکھتے ہیں اپنا سبھی خیال
غم اپنے دوستوں کا بھی کھایا کرے کوئی

جب اختیار ان کا ہے تو مان لیجئے
شکوہ زبان پر تو نہ لایا کرے کوئی

خود کو یونہی نہ ڈالئے اب امتحان میں
ادراک اپنا آپ بھی پایا کرے کوئی

طارِقؔ قریب دل کے وہی شخص جانیے
یادوں میں آئے جب تو رُلایا کرے کوئی

❀❀❀

تیغ و تبَر کو چھوڑ کر ہم نے قلم پکڑ لیا
دینِ خدائے مصطفےٰ کا جو علَم پکڑ لیا

نور کے پیچھے چل پڑے، بھٹکیں گے کیسے، ڈر نہیں
اس کے ہی پیروکار تھے، اس کا قدم پکڑ لیا

دوش نہ دو کہ عشق میں شاہِ عرب پہ ہم فدا
اس کی وفا میں دامنِ شیخِ عجم پکڑ لیا

عشقِ بتاں ترَک کئے، اُس نے صلیب توڑ دی
دیر و کلیسا و حرم ، میں سے ، حرم پکڑ لیا

حسنِ ازل ہے جاوداں، بت کدے سارے عارضی
اس کو ذرا بتاؤ تو جس نے صنم پکڑ لیا

دیکھا ہے رشک سے اسے جس نے بھی جان وار دی
ہو کے شہید جس نے بھی باغِ ارَم پکڑ لیا

ظلم سکھا رہے تھے جو ان سے رہی مغائرت
جس نے سکھایا پیار پھر وہ ہی دھرم پکڑ لیا

باہمی اختلاف نے فرقے بنا دیے کئی
کرنے تھے جس نے فیصلے، اس کو حَکَم پکڑ لیا

ہم کو خدا کے فضل نے خود یہ دکھایا راستہ
ہم نے فروع چھوڑ کر، نقطہ اہم پکڑ لیا

ہاتھ جو اس کے ہاتھ میں طارِقؔ خستہ نے دیا
عجز کی راہ پر چلا، جاہ و حشَم پکڑ لیا

❀❀❀

جہاں میں ہم کہیں رہیں ، ہماری آب و تاب ہو
ہمارے ساتھ جب چمن میں کھل رہا گلاب ہو

محبّتوں کی سرزمیں میں روشنی ہو ہر جگہ
کہیں وہ آفتاب ہو ، کہیں وہ ماہ تاب ہو

ملیں ہمیں رفاقتیں ، محبّتیں ، عنایتیں
کتاب حکمتوں سے پُر ہو پیار جس کا باب ہو

کہانیاں سنی تھیں ہم نے ہجر کی،وصال کی
یہاں تو اس کا عشق ہی ہمارا انتخاب ہو

ہیں آشیاں اجڑ گئے ، ہے پنچھیوں نے راہ لی
مرے وطن کی ہر گلی میں یوں لگے عذاب ہو

ستم رسیدہ سب ہوئے ہیں کام کیا کرے کوئی
کہ ہجرتوں کے واسطے قطار میں شباب ہو

پڑھا تھا تم نے جو سبق مروّتوں ، وفاؤں کا
کہیں اسے بھُلا کے یہ نہ زندگی خراب ہو

خدا کرے کہ پھر سے تم کو راحتیں نصیب ہوں
تمہیں ہدایتیں ملیں ، جو رہنما کتاب ہو

طبیب وہ ملے تمہیں جو درد کی دوا کرے
وہ زخم مندمل کرے ، تمہارا ہم رکاب ہو

سوال اس سے کیا کریں، سنیں وہ جو کہا کرے
تو اس کے ہر جواب پر کہیں کہ لا جواب ہو

چلے بھی آؤ میکدے، تمہارے غم بھی دور ہوں
پلا رہا جو حوض پر حَسین اک ، شراب ہو

ہے طارِؔق اب تو خوش ہوا، سُنا تو سجدے میں گرا
ہے جب سے اس نے کہہ دیا تمہارا کیا حساب ہو

لوٹ کر وقت نہ آیا تو مجھے یاد آیا
ہو گیا اپنا ، پرایا ، تو مجھے یاد آیا

بھول جانا اُسے آساں تو نہیں تھا لیکن
اس نے جب یاد دلایا تو مجھے یاد آیا

ابتدا کیسے ہوئی عشق میں کچھ یاد نہیں
یہ سبق اس نے پڑھایا تو مجھے یاد آیا

زخم تو اس نے دیے ہوں گے یہ امکان بھی ہے
قصۂ درد سنایا تو مجھے یاد آیا

باغ میں شور تو بلبل نے مچایا لیکن
گیت خود میں نے جو گایا تو مجھے یاد آیا

اس نے سمجھا تھا مجھے، میں نے اسے اپنا لباس
پیرہن اس کو بنایا تو مجھے یاد آیا

یہ ہنر اُس نے بہت پیار سے سیکھا ہو گا
اس کے گھر جا کے جو کھایا تو مجھے یاد آیا

اپنے گھر اُس کو محبت تو ملی ہو گی بہت
ذکر جب اِس کا نہ آیا، تو مجھے یاد آیا

یاد آتی ہے تو آنسو بھی نکل آتے ہیں
خون آنکھوں نے بہایا تو مجھے یاد آیا

غم کے سایے بھی تو زندہ نہیں رہنے دیتے
بوجھ سینے سے ہٹایا تو مجھے یاد آیا

طارؔق آزادیِٔ اظہار ملی ہے اب تو
جب کلام اپنا سنایا تو مجھے یاد آیا

علاجِ دردِ دل کرنے کو آئے ہیں مسیحا تو
مریضِ عشق بھی تیّار ہیں کرنے کو اچھا تو

عدو کو مات دے کر زندگی مُردوں کو بخشی ہے
مقابل پر کوئی آنے کو جو تیّار ہوتا تو

اسے اخلاق سے دل جیتنے تھے اور محبت سے
تمھیں اچھا بہت لگتا تمھیں طعنے جو دیتا تو

ہیں اس کے چاہنے والے، فدا جو مال و جاں کر دیں
بہت مہنگا تھا کرتے گر فقط دنیا کا سودا تو

دمِ آخر فرشتہ موت کا آکر دبوچے گا
کہاں بھاگے گا تیری موت کا گر وقت آیا تو

یہ سچ ہے تم نے جوڑا سب تعلّق مال والوں سے
مگر ایسے نہیں ہوتا پرایا مال اپنا تو

عجب ہے دوش دیتے ہو ہمیں رستہ دکھانے کا
ہمارا شکریہ کرتے، چلو تم نے بتایا تو

تسلّی اور تشفّی کے لئے سامان بھی کرتے
پرکھنے کا ہمیں لیکن ذرا کرتے ارادہ تو

بری الزام سے کرتے ہیں طارِقؔ ہم تمہیں دل سے
کہا جو سچ کہا تم نے ، حقیقت ہی کو لکھا تو

خاموش تھے جو نیک مرے کام دیکھ کر
گویا ہوئے ہیں گونگے بھی دُشنام دیکھ کر

بہرے بھی ناچنے لگے ہیں سُن کے جانے کیا
گنجوں نے سر کُھجا لئے حجّام دیکھ کر

پامال آدمی ہوا ہے آدمی کے ہاتھ
حیرت ہے خوش بھی ہو غم و آلام دیکھ کر

سمجھے تھے جیسے اُن کو خدائی ہے مل گئی
اب چپ ہیں سارے گردشِ ایّام دیکھ کر

کس نے کیا رواں انہیں گردش میں چار سُو
آتی نہیں سمجھ انہیں اجرام دیکھ کر

جس کو حقیر جان کے دھتکارتا تھا وہ
حیران اب اسی کا ہے اکرام دیکھ کر

یوں تو نہیں تھا شوق اسے شاعری کا پر
ٹپکی کسی کی رال ہے ، انعام دیکھ کر

عرصہ ہوا کہ اس سے ملاقات تھی ہوئی
حیراں ہوا ہے آج وہ پیغام دیکھ کر

شاعر نے کیا کہا انہیں اس سے غرض نہ تھی
سُنتے رہے وہ بیٹھ کے ، بادام دیکھ کر

ان کی امید پر تو لگے اوس پڑ گئی
سمجھے تھے ہوں گے خوش اسے ناکام دیکھ کر

کہتے ہیں انتخاب سے گزرے ہیں اب تو وہ
شرمندہ کون ہو بھلا یہ کام دیکھ کر

طارِؔق فریبِ عشق سے کتنے ہوئے خراب
پیچھے ہٹے نہیں مگر انجام دیکھ کر

محبت کے لئے بس اک بہانے کی ضرورت ہے
کہیں دل پر ذرا سی چوٹ کھانے کی ضرورت ہے

ہمیں بھی آرزو تھی عشق کا اظہار کرنے کی
مگر اس کے لئے موسم، سہانے کی ضرورت ہے

چلے جائیں اگر محفل میں ، ساقی، جام لے آئے
ہمیں تو میکدے تک،صرف جانے کی ضرورت ہے

سکوں کب ہے، یہ ہنگامے بڑے آزار دیتے ہیں
مگر لوگوں کی جرأت آزمانے کی ضرورت ہے

مقدّر میں تڑپنا ہی اگر لکھا ہے تڑپیں گے
مگر اس کے لئے بھی تیر کھانے کی ضرورت ہے

زمانے نے بہت، بچوں سے کھیلی، خون کی ہولی
انہیں لوری سنا کر اب سلانے کی ضرورت ہے

نہیں ظالم کو اندازہ کہاں تک جا چکا ہے وہ
ہمیں مل کر ضمیر اُس کا جگانے کی ضرورت ہے

کئی دنیا نے بدلے رنگ لیکن پھر بھی کی اپنی
ہمیں اب اس پہ اپنا حق جتانے کی ضرورت ہے

بس اپنے گھر میں بیٹھو، مان جائیں وہ جو کہتے ہیں
نہ آنے کی ضرورت ہے نہ جانے کی ضرورت ہے

ہماری حاجتیں پوری کرے گا خود ہی وہ دلبر
ہمیں طارِقؔ خدا سے لو لگانے کی ضرورت ہے

یہی دستور سنتے آئے ہیں اب تک زمانے کا
گرا جو آشیاں، سوچے گا واپس کون رکھنے کا

سُنو گر حوصلہ رکھتے ہو کُچھ تنقید سننے کا
نرا لفّاظی ہی مقصد نہیں ہے شعر کہنے کا

فقط ذکرِ گُل و بلبل نہ ہو ، پیغام ہو کوئی
سبق جس سے ملے کوئی یہاں مل جُل کے رہنے کا

اگر لفظوں میں سچ کو جھوٹ ثابت کر دیا جائے
تو پھر معیار ہے یہ قوم کے اخلاق گرنے کا

مرے الفاظ تب اشعار کی صورت میں ڈھلتے ہیں
تسلّی دل کو دے جب تجربہ سچ کو پرکھنے کا

جو بیٹھے آئینے کے سامنے گھنٹوں لگاتے ہیں
ودیعت ان کو قدرت نے کیا جذبہ سنورنے کا

مگر جس کو خدا نے اپنے ہاتھوں سے سنوارا ہے
نہیں محتاج وہ ہوتا کسی صورت بھی گہنے کا

مجھے سچائی کی خوشبو ہمیشہ اچھی لگتی ہے
اگرچہ پیش کر دے کوئی جھوٹا پھول سونے کا

کہاں تک ہم نے جانا ہے مسافر دو گھڑی کے ہیں
نہ جانے وقت کب آ جائے گاڑی سے اترنے کا

مگر حق بات طارؔق تم یونہی کہتے چلے جانا
سنے گا، حوصلہ جس کو بھی ہو گا کان دھرنے کا

راگ الفت کا چھیڑ آدھی رات
اپنے دُکھڑے سہیڑ ، آدھی رات

گر کے سجدے میں گریہ زاری کر
تُو کواڑوں کو بھیڑ ، آدھی رات

وہ جو دل میں گناہ راسخ ہیں
ان کو جڑ سے اکھیڑ ، آدھی رات

اگلی نسلوں تلک جو پھل دیں گے
بو وہ نیکی کے پیڑ ، آدھی رات

دن گزر جائے کارِ دنیا میں
دل کے جھگڑے نبیڑ ، آدھی رات

سچی جھوٹی کہانیاں ساری
ذہن میں مت گھسیڑ ، آدھی رات

معرفت کے نکات تک پہنچے
دے تخیّل کو ایڑ ، آدھی رات

واہمے ، جن سے شیطنت جاگے
اُن کو دل سے کُھدیڑ ، آدھی رات

وسوسے تنگ جو کریں طارِقؔ
ان کے بخیے ادھیڑ ، آدھی رات

رات پھر جاگ کر گزاری ہے
نیند پر کب اجارہ داری ہے

عشق میں اس کے ہو گئے گھائل
لگ گیا اب تو زخم کاری ہے

جب بھی سوئے جگا دیا اس نے
کس کی سپنوں پہ پہرہ داری ہے

جب سے دیکھا ہے روبرو اس کو
ذکر اس کا ہی لب پہ جاری ہے

جس کو سمجھے تھے راز داں اپنا
وہ رقابت میں سب پہ بھاری ہے

آتشِ عشق میں جلے خاکی
یا تو نُوری ہے یا وہ ناری ہے

ہوں گے ہم سے بھی وہ کبھی گویا
ایسی قسمت کہاں ہماری ہے

دیکھ کر گفتگو رقیبوں سے
دل پہ چلتی ہمارے ، آری ہے

حسن ظاہر نہیں ہوا سب پر
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

ان دنوں بام پر وہ آتا ہے
شرط ملنے کی آہ و زاری ہے

طارِقؔ اس کی گلی میں بیٹھیں گے
ہم کو اس کی گلی ہی پیاری ہے

❀❀❀

ایک دن اور ہے گزرا مری تنہائی کا
وقت ملتا ہی نہیں تجھ سے شناسائی کا

شعر کہہ لیتا ہوں جب یاد تری آتی ہے
کچھ مجھے شوق تو ہے قافیہ پیمائی کا

میں بیاں کر دوں کبھی ان کے خیالات اگر
مجھ پہ الزام وہ دیں حاشیہ آرائی کا

پھول مُرجھا گئے پتّے ہیں پڑے رستوں پہ اب
کس کو فرصت ہے کہ سوچے چمن آرائی کا

داد دینے کو کرائے پہ بھی مل جاتے ہیں لوگ
مسئلہ ہوتا ہے ہر وقت پذیرائی کا

خود کو ظالم تُو سمجھتا نہیں پر سوچ ذرا
اب تو جگ بھر میں ہے چرچا تری رسوائی کا

زخم کھا کر چلے آئے وہ مداوا کرنے
جانتے ہیں کسے دعویٰ ہے مسیحائی کا

جانے کس بات پہ ہے ان کو توقّع اتنی
چند گھڑیوں کا ہے یہ کھیل تماشائی کا

طارِقؔ اب ذوقِ سماعت بھی کہاں لوگوں میں
شور لگنے لگا اب ساز بھی شہنائی کا

❀❀❀



ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔ ایف آر سی ایس
کی ڈگری لینے کے بعد رائل کالج آف
سرجنز آئرلینڈ ڈبلن۔ نومبر ۱۹۹۲ء

ڈاکٹر طارق انور باجوہ ضلع لائلپور (حال فیصل آباد) کے ایک گاؤں میں پیدا ہونے کے چند ماہ بعد ہی اپنے والدین کے ساتھ کنری (سندھ) آ گئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۷۰ء میں کیڈٹ کالج حسن ابدال چلے گئے جہاں سے ۱۹۷۵ء میں ایف ایس سی کیا۔ ۱۹۸۲ء میں لیاقت میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کے بعد پاکستان فوج میں شمولیت کی۔ ۱۹۹۰ء میں میجر کے عہدے سے استعفیٰ دے کر لندن آ گئے۔ یہاں سے سرجری کی ڈگری ایف آر سی ایس لینے کے بعد تین سال کے لیے تنزانیہ، مشرقی افریقہ میں بطور ڈاکٹر کام کیا۔ واپس آ کر جنرل پریکٹس کا شعبہ اختیار کیا۔ باقاعدہ شاعری کا آغاز جون سنہ ۲۰۲۰ء سے کیا۔ ان کے درج ذیل مجموعہ ہائے کلام شائع ہو چکے ہیں:

۱۔ لبِ لباب
۲۔ چاکِ دامانِ جنوں
۳۔ ہم قدم، دم بدم
۴۔ در آئینۂ صفِ دوستاں
۵۔ نصیبِ چارہ گری
۶۔ بازگشت
۷۔ پیتم بن من سُونا
۸۔ روزنِ خانۂ دل
9۔ سرنامۂ نور
۱۰۔ ایک اور ایک گیارہ
۱۱۔ برشگالِ نور
۱۲۔ گمان سے یقین تک
۱۳۔ رنگِ وفا دیکھو تو

ISBN: 978-969-2211-85-7

9 789692 211857

MEHAR GRAPHICS & PUBLISHERS
0306-5267717, 0302-3761868
rashidh30@gmail.com